بڑے میاں...

کاشف زبیر

قارئین کے چہیتے مصنف کے شوخ و شریر قلم سے ایک گدگداتی، مسکراتی تحریر۔ بات جائیداد کے ایک سودے سے شروع ہوئی اور خون خرابے تک جا پہنچی۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ دوسرے کو بے وقوف بنا کر خود فائدہ اٹھا لے۔ مگر یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہر سیر کے لیے سوا سیر بھی ہوتا ہے!

اداس اور بوجھل لمحوں کے لیے اکسیر تحریر

میرے خیال میں میری اور راجا کی یاری پر اتنا برا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ راجا بدبخت نے ان دنوں مجھے یوں نظرانداز کر رکھا تھا جیسے اچانک وزیراعظم بن جانے والا شخص ملک کے بارے میں اپنے سابقہ بیانات بھول جاتا ہے۔ قصور راجا کا نہیں تھا۔ نادر شاہ کی دختر بداختر عارفہ حرافہ نے اس پر کوئی خطرناک قسم کا سفلی عمل کیا تھا۔ اسے الو کا گوشت گدھے کی چربی میں روسٹ کر کے کھلایا تھا۔ راجا مجھے ایسے بھول گیا تھا۔ جیسے ناخلف اولاد جوان ہوتے ہی ماں باپ کو بھول جاتی ہے۔ ساتھ ہی وہ گدھے کے سینگوں کی طرح گم شدہ تھا۔ وہ اتنا گم شدہ تھا کہ اس کا باپ بھی اسے تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا جو اسے عام طور پر کہیں نہ کہیں تلاش کر ہی لیا کرتا تھا۔

راجا کی اس بے وفائی پر میں مغموم اور اداس شجر کے الو کی طرح کیفے ڈی پھونس کی میز نمبر چار سو بیس پر اکیلا بیٹھا تھا۔ غالباً اس لیے کہ کیفے میں یہ میز فتو کے صور اسرافیل کے جیسے ڈیک کے بالکل پاس تھی اور اس میز پر بیٹھ کر جانے والے عام طور پر کانوں کے ڈاکٹر کے پاس ضرور جاتے تھے اور بعض تھانے، اسپتال یا طلاق کے لیے وکیل کے دفتر پہنچ جاتے تھے کیونکہ سامنے والا جو کہتا تھا وہ ہرگز سنائی نہیں دیتا تھا بلکہ کچھ اور سنائی دیتا تھا۔ اس وقت بھی یہ منحوس ڈیک ایک شور و غوغا کرنے والے مشہور پاپ سنگر کا وہ گانا نشر کر رہا تھا جو...... حب الوطنی کے بارے میں تھا اور جسے سن کر خون میں خواہ مخواہ ابال آجاتا تھا۔ خواہ مخواہ اس لیے کہ گیت کا ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بلڈ پریشر میں اضافہ صرف شور کی وجہ سے ہوتا تھا۔

اس شور کی وجہ سے چھوٹے نے مجھے ڈبل چائے دودھ پتی اور پورا کیک پیس لا دیا تھا حالانکہ میں نے اسے صرف سنگل چائے کا کہا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ فتو اس ڈیک کی مدد سے یوں اپنی سیل بڑھا رہا تھا۔ بادل ناخواستہ میں نے کیک پیس چائے کی مدد سے حلق سے اتارنا شروع کیا۔ غالباً یہ کیک پیس پچھلے سال بنا تھا اور اپنی برکت کی بنا پر اب تک ختم نہیں ہوا تھا۔ اس میں سے ہلکی سی بو بھی آ رہی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اسے کھا کر مجھے ہیضہ ہو جاتا لیکن مجھے فتو سے اپنے پیسے بھی وصول کرنے تھے۔ دراصل پچھلے دنوں میں نے اس کا ایک کام کیا تھا اور اس نے مجھے ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جب وعدے کی تکمیل کا وقت آیا تو فتو اپنے وعدے سے مکر گیا البتہ اس نے یہ فراخدلانہ پیشکش ضرور کی تھی کہ میں چاہوں تو اتنی ہی رقم کی چیز میں اس کے کیفے سے کھا پی سکتا ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ میں پورا کیک پیس کھانے پر مجبور تھا۔

مگر منحوس فتو نے کیک پیس میں شاید جمال گوٹا بھی پیس کر شامل کر دیا تھا۔ ابھی میں نے آدھا کیک پیس ہی کھایا تھا کہ مجھے اپنے پیٹ سے کچھ آتش فشانی گڑگڑاہٹ سنائی دی اور مجھے کیفے کے باتھ روم کی طرف دوڑ لگانی پڑی۔ جب میں اپنے پیٹ کا بوجھ ہلکا کر کے آیا تو یہ دیکھ کر میرا خون کھول گیا کہ میز پر سے چائے اور کیک دونوں غائب تھے اور چھوٹا بل لیے کھڑا تھا۔ میں نے چائے اور کیک پیس غائب ہونے پر فتو کے بارے میں جو ارشادات کیے تھے، وہ چھوٹے نے بھی نہیں سنے، خود مجھے بھی اپنے الفاظ سنائی نہیں دیے تھے۔

چھوٹے نے مسکراتے ہوئے مجھے بل تھما دیا۔ جو کچھ اس طرح تھا۔ چائے بارہ روپے...... کیک پیس بیس روپے سروس چارجز دس روپے...... اسے دیکھ کر میرے منہ سے پھر ان کہا الفاظ کا مجموعہ نکلا جس کے بارے میں مجھے یقین نہیں تھا کہ میں وہی کہہ رہا تھا جو ایسے موقع پر مجھے کہنا چاہیے۔ میں نے چھوٹے سے پوچھا کہ یہ سروس چارجز کیا ہوتے ہیں لیکن وہ

ہنسنے کے بجائے مسکراتا رہا۔ آخر میں نے انگلی رکھ کر پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر کچھ کہا جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ پڑھنا نہیں جانتا۔ آخر جب میں نے بک بک کر تھک گیا تو چھوٹے نے مجھے قلم پکڑا دیا۔ میں نے سائن کرنے کے بجائے فتو کے لیے ایک ناقابل اشاعت لفظ لکھا جس کا ایک مطلب یہ بھی نکلتا تھا۔ ''دوسروں کے بچوں کو پالنے والا۔''

اس سے پہلے کہ چھوٹا بل لے جا کر فتو کو تھماتا، میں پیٹ پکڑ کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔

☆☆☆

میں نے مرزا بخت بیگ کے دفتر میں قدم رکھا تو اسے کرسی پر اکڑوں بیٹھے پایا۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کے ایسے تاثرات تھے جیسے پہلا انڈا دیتے وقت مرغی کے چہرے پر نظر آ سکتے ہیں۔ اس نے بے رخی سے مجھے دیکھا ''ابھی دفتر بند ہے، کل آنا۔''

مرزا بخت جسے بعض اوقات بدبخت کہنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ پیدائشی کمیشن ایجنٹ تھا۔ اپنے ماں باپ کے لیے بھی کچھ کرتا تو کمیشن لے کر کرتا تھا۔ دروغ بر گردن راوی..... سنا ہے اس نے پہلا کامیاب سودا اپنے ابا اور پڑوسن کے درمیان کرایا تھا۔ معاملات عشق کو راز رکھنے اور مراسلات عشق پہنچانے کا کمیشن وہ دونوں طرف سے لیا کرتا تھا۔ یہ اس کی کامیاب پالیسی تھی کہ اس کی ماں کو کانوں کان اس کے باپ کے کرتوتوں کا علم نہیں ہوا تھا۔ جب پڑوسن سوکن بن کر آ گئی تو اس صدمے کی تاب نہ لا کر مرزا کی حقیقی ماں خالق حقیقی سے جا ملی تھی۔ اس کی آنکھ میں عام طور پر اس کا اپنا ہی بال گرا پایا جاتا تھا اس لیے وہ تین دن سے زیادہ کسی کو یاد نہیں رکھتا تھا۔ ہاں کسی سے اسے کمیشن کی بو آتی تو وہ اسے باپ بنانے کو تیار ہو جاتا تھا اس لیے جب مرزا بدبخت نے مجھے پہچاننے سے انکار کیا تو مجھے قطعی تعجب نہیں ہوا۔

دراصل میں جمی کی اس آسیب زدہ کوٹھی کے سلسلے میں آیا تھا۔ جہاں میں نے اور بابا جادو (راجا بدبخت) نے جن بھگانے کا ڈراما کیا تھا۔ ابھی کل ہی جمی روتا پیٹتا آیا کہ بھوتوں نے اس کے تازہ کرائے دار کو بھی مع بوریا بستر کے کوٹھی سے بے دخل کر دیا تھا۔ رات کو اچھا بھلا اندر سویا تھا۔ صبح اٹھا تو سارے سامان کے ساتھ لان میں پڑا تھا۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟" میں نے اعتراض کیا۔
"تو نے اس فراڈ بابا کو پچاس ہزار دلوائے تھے اور اس نے ایک بھوت بھی نہیں بھگایا۔"
"دیکھ بھائی، دنیا میں بھوتوں کی کمی نہیں ہے پھر کسی بھوت کو تیری کوٹھی پسند آ گئی ہوگی۔" میں نے اسے سمجھایا "ویسے بھی سہولیات اور ظاہری صورت کے لحاظ سے وہ کوٹھی بھوتوں کے لیے ہی موزوں ہے۔"
"میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر تو نے اس کے لیے کرائے دار نہیں تلاش کیا تو میں اپنے پچاس ہزار تجھ سے وصول کروں گا۔" جمی نے دھمکی دی اور میں متفکر ہوگیا۔ پچاس ہزار تو مجھ سے جمی کا باپ بھی وصول نہیں کرسکتا تھا مگر اس کے شور مچانے سے میری ساکھ خراب ہو سکتی تھی اور پھر بلاوجہ علاقائی انکم ٹیکس آفیسر یعنی استاد وی ٹی کے کان بھی کھڑے ہو سکتے تھے۔ اس کے علاقے میں بنا حصہ دیے کوئی غیر قانونی کام کرنا عام طور سے کرنے والوں کی صحت کے لیے مضر ثابت ہوتا تھا۔ ویسے بھی ان دنوں میں فارغ تھا۔ راجا کی صورت پچھلے ایک ہفتے سے نظر نہیں آئی تھی۔ طبیعت پر اس کی نحوست الگ چھائی تھی اس لیے میں نے جمی کا کام کرنے کی ہامی بھر لی۔ مگر ساتھ ہی اسے مشورہ دیا۔
"دیکھ یار تو اس جنجال سے جان کیوں نہیں چھڑا لیتا۔ کوٹھی بیچ دے اور اس سے چار پانچ فلیٹ لے لے۔ ان سے زیادہ کرایہ مل جائے گا۔ بہ نسبت اس منحوس کوٹھی کے جو سرکاری کارپوریشن کی طرح سوائے خسارے کے کچھ نہیں دے رہی تجھے۔"
"یہ تو نے ٹھیک کہا۔" جمی فوراً قائل نظر آنے لگا "لیکن اس کوٹھی کو خریدے گا کون؟"
"کوشش کی جائے تو ہوائی قلعے بھی بک جاتے ہیں۔ یہ کراچی ہے پیارے..... تیرے پاس تو ایک سچ مچ کی کوٹھی ہے۔ میں ایک ایسے بروکر سے واقف ہوں جو اسے کسی نہ کسی طرح بیچ ہی دے گا۔"
"لیکن وہ کمیشن بھی لے گا۔" جمی نے لرز کر کہا۔
"جمی احمق..... وہ جتنا کمیشن لے گا اس سے زیادہ تجھے فائدہ پہنچا دے گا۔ جتنے میں ہم تم اسے بیچ سکتے ہیں، وہ اس سے زیادہ میں ہی بیچ دے گا۔"
"اچھا۔" جمی نے مرے ہوئے لہجے میں کہا "پھر وہ تیرا واقف ہے اس سے کہنا کمیشن ذرا کم لے۔"
"رعایت تو وہ اپنے باپ کے ساتھ بھی نہ کرے۔" میں متفکر ہوگیا "لیکن میں کوشش کروں گا۔"
"اللہ تجھے جزائے خیر دے گا۔" جمی نے لہجے میں پیشہ ور بھیک منگوں کی سی رقت پیدا کر کے کہا۔
"نہیں یار، یہ اللہ اور میرا معاملہ ہے، تو مجھ سے اپنی بات کر۔"
"یعنی تو بھی مجھ سے کمیشن لے گا۔" جمی کا خون مزید خشک ہوگیا۔
"ظاہر ہے میرے ساتھ پیٹ لگا ہے۔ اس میں ڈالنے کے لیے روٹی چاہیے، میں خوامخواہ بھاگ دوڑ کرنے لگوں تیرے لیے تو جلد جاں بحق ہو جاؤں گا۔"
"تو کیا لے گا؟" جمی نے اس بار پہلے سے بھی زیادہ مرے ہوئے انداز میں کہا۔
"جتنا تو اس کمیشن ایجنٹ کو دے گا۔ اس کا آدھا مجھے دے دینا۔"
"ہرگز نہیں۔" جمی چلایا "یہ بہت زیادہ ہے۔ میں صرف چوتھائی دوں گا۔"
"نصف۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور بالآخر معاملہ ایک تہائی پر طے پا گیا۔ معاملہ طے پاتے ہی جمی نے کمینگی دکھائی اور شرط لگا دی۔ "تجھے کوٹھی ایک مہینے کے اندر اندر بکوانی ہوگی ورنہ تیرا کمیشن نہیں ملے گا۔"
"جمی..... موٹے سور۔" میں نے غصے سے تھر تھر کانپنا شروع کر دیا "تو نے ابھی سے دھوکے بازی شروع کر دی ہے۔"
"ٹھیک ہے نہ مان۔ میں کسی اور کمیشن ایجنٹ سے بات کروں گا۔" جمی عیاری سے مسکرایا۔
"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" میں نے جل کر کہا "لیکن تو نے بعد میں کوئی بدعہدی کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"
"ظاہر ہے، تجھ سے برا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔"
جمی سے بات کرتے ہوئے مجھے مرزا بخت کا خیال آیا تھا جس زمانے میں، میں زمینوں کا کام بھی کرتا یعنی ادھر کا مال ادھر کیا کرتا تھا تو مرزا بخت سے آئے دن میرا واسطہ پڑتا تھا۔ یہ اشتراک عمل ہم دونوں کے لیے خاصا سود مند ثابت ہوا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے مجھے تھوڑی سی خوش فہمی تھی کہ شاید مرزا بخت اس کا لحاظ کرے گا لیکن اس نے مجھے دیکھ کر طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لی تھیں۔
"ابے میں جلیل ہوں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔
"کون جلیل؟" اس نے بے مروتی سے کہا "جلدی بولو

کس کام سے آئے ہو؟''

''کون جلیل؟'' میں نے دانت پیسے ''سیٹھ غفار بھائی کا کالونی والا پلاٹ یاد ہے۔ جسے ہم دونوں نے مل کر ایک احمق کو بیچا تھا۔ اس کے علاوہ مارکیٹ کی دکان یاد ہے۔ یا اور حوالے دوں۔''

''بس یاد آ گیا۔'' اس نے جلدی سے کہا ''اب بولو کس کام سے آئے ہو۔''

''ایک کوٹھی کا سودا کرانا ہے۔'' میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ابھی نہیں کل آنا۔'' اس نے عجلت میں میز کی درازیں کھنگالنا شروع کر دیں اور اس میں سے چیزیں نکال کر بیگ میں رکھنے لگا ''ابھی میں دفتر بند کر رہا ہوں۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا ''مجھے تو لگ رہا ہے تم مستقل یہ دفتر بند کر رہے ہو؟''

''بکو...... بکواس مت کرو۔'' اس نے بوکھلاتے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف دیکھا۔

''بخت بیگ مجھے تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔ بات کیا ہے؟''

''میں بہت پریشان ہوں۔ تمہیں کیا؟'' اس نے جھلا کر کہا اور اپنا بیگ بند کر لیا جس میں اس نے سارا سامان بھر لیا تھا ''میں جا رہا ہوں۔''

اس سے پہلے کہ میں اسے روکتا، وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکا اور پھر اتنی ہی تیزی سے واپس آ کر میز پر گرا۔ اس کے بیگ میں بھرا سامان ایک بار پھر میز پر بکھر گیا۔ ظاہر ہے دروازے میں کوئی اسپرنگ تو لگا نہیں تھا۔ کسی نے مرزا بد بخت کو واپس دھکا دیا تھا۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ دو نمونے اندر آ رہے تھے۔ ایک تقریباً پانچ فٹ کا تھا۔ اس کا قطر بھی اتنا ہی تھا۔ قمیص کسی شامیانے کی طرح اس کی توند کے دائرے پر سے لٹک رہی تھی۔ اس نے گلے میں شاید بھینس کو باندھنے والی زنجیر پہنی ہوئی تھی جو سونے کی لگ رہی تھی۔ اس کے عقب میں دوسرا نمونہ کوئی ساڑھے چھ فٹ قد کا تھا اور اس کے کپڑے اس پر یوں جھول رہے تھے جیسے ہینگر پر ٹنگے ہوں۔ اس کی کوئی سوا چھ انچ کی مونچھیں نو بج کر پندرہ منٹ پر رکی ہوئی تھیں۔ ٹکر گینڈے نے ماری تھی اور مرزا بخت کی حالت سے لگ رہا تھا اس کے اعضا کو اس ٹکر نے خاصا نقصان پہنچایا تھا۔ زرافے جتنی لمبے قد والے نے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا۔

''اب تم کہیں نہیں جا رہے ہو۔'' گینڈے نے اعلان کیا۔

''مگر کیوں؟'' مرزا بخت بہ مشکل اٹھا۔ اس نے اپنا پیٹ تھام رکھا تھا۔

''کیونکہ تم نے اب تک پانچ لاکھ روپے نہیں دیے ہیں۔'' گینڈے نے دوبارہ ٹکر مار کر اسے لٹا دیا۔

''میں کہاں سے دوں...... ہائے......'' مرزا لیٹے لیٹے چلایا۔

''اگر نہیں دو گے تو ہم برآمد کر لیں گے۔'' زرافے نے ایک ناقابل ذکر جگہ کا نام لیا۔

''ہمارے پیسے حرام کے نہیں ہیں......'' گینڈے نے مرزا کی ٹانگ پکڑ کر اسے میز سے نیچے کھینچ لیا۔ اس کا سر فرش سے کسی ناریل کی طرح ٹکرایا اور اس سے کسی ناریل کے چٹخنے کی سی آواز نکلی۔ مرزا نے کہا ''ہائے اماں۔'' اور یوں ساکت ہو گیا جیسے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہو۔ لیکن زرافہ اور گینڈا اس کے فریب میں آنے والے نہیں تھے۔ زرافے نے مرزا کے ایسی جگہ جوتے کی نوک ماری کہ وہ کسی کھلونے کی طرح اٹھ بیٹھا اور پھر دوبارہ لڑھک گیا مگر اس کا واویلا جاری تھا۔

''ظالم کے بچو میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟''

''تم نے بہت کچھ بگاڑا ہے۔'' گینڈے نے خود کو ٹکر سے مجبور پایا تو وہ اچھل کر مرزا کے پیٹ پر بیٹھ گیا۔ مرزا نے آنکھیں گھما کر آسمان کی طرف دیکھا جیسے وہیں جانے کے لیے پر تول رہا ہو۔ اس بار میرے علاوہ زرافہ بھی اس کے جھانسے میں آ گیا۔ اس نے جھک کر گینڈے سے کہا۔

''رشید صاحب! کافی عرصہ پہلے آپ سے ملاقات ہوئی تھی تو آپ نے بتایا تھا کہ آپ اپنا مکان بیچ رہے ہیں...... لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ تو ابھی تک اسی مکان میں رہ رہے ہیں۔ کیا اسے بیچنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا؟''

''جی ہاں...... وہ...... دراصل جب پراپرٹی ڈیلر نے ہمارے مکان کی فروخت کا اشتہار تیار کر کے اخبار میں دیا تو اس کی خوبیاں پڑھ کر ہمیں پتا چلا کہ ایسے ہی مکان کی تو ہمیں تلاش تھی...... چنانچہ اسے بیچنے کی کیا ضرورت ہے......''

☆☆☆

بھیا یہ تو گزرنے والا ہے۔"

"اتنی آسانی سے نہیں مرے گا۔" گینڈا ایک بار پھر اچھل کر اس پر آبیٹھا۔ اگرچہ مرزا کے لیے میرے دل میں اتنے ہی ہمدردانہ جذبات تھے جتنے امریکا کے دل میں..... صدام حسین کے لیے۔ اس کے باوجود اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر مجھے ان دونوں پر غصہ آنے لگا۔ جو آپس میں بھائی بھی لگتے تھے۔ حالانکہ ان میں جسمانی ہیئت کا اتنا ہی فرق تھا جتنا گینڈے اور زرافے میں ہو سکتا ہے۔ لیکن ان سے جسمانی طور پر نمٹنا میرے لیے اتنا ہی محال تھا جتنا کسی بارہ سنگھے کے لیے بیک وقت گینڈے اور زرافے سے نمٹنا۔

"دیکھیں بھائی صاحب۔" میں نے گلا صاف کر کے کہا "اگر آپ نے اس شخص سے کچھ وصول کرنا ہے تو اس کے لیے اس کا زندہ رہنا نہایت ضروری ہے۔ میرے علم میں اس کا ایسا کوئی رشتے دار نہیں ہے جس سے آپ اپنا قرض وصول کر سکیں۔"

"تو کون ہے؟" زرافے نے خاصی بلندی سے دریافت کیا "اس کا کیا لگتا ہے؟"

"خدا نہ کرے جو میں اس کا کچھ لگوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ ان لوگوں سے کچھ بعید نہیں کہ مجھے بھی کسی طرح مرزا کا ساتھی قرار دے کر میرے ساتھ وہی سلوک شروع کر دیں جو وہ مرزا کے ساتھ کر رہے تھے۔ وہ مجھے بدمعاش لگ رہے تھے۔

"پھر یہاں کس لیے آیا ہے؟" زرافے نے غرا کر شغل جاری رکھا۔

"مجھے ایک کوٹھی بکوانی ہے۔"

"ابھی تم جاؤ۔ ایک ہفتے بعد آنا۔" گینڈے نے مجھے مشورہ دیا۔

"اگر یہ ایک ہفتے بعد اس دفتر میں آنے کے قابل ہو سکا۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی نہ آئے۔" گینڈے نے ایک کونے میں رکھا جالے صاف کرنے کا برش اٹھا کر اس کے ڈنڈے کا معائنہ کیا۔ غالباً وہ اسے آلۂ تشدد کے طور پر استعمال کرنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

"بہتر ہوگا تم کسی دوسرے پراپرٹی ڈیلر سے رجوع کرو۔" زرافے نے پھر غرا کر مشورہ دیا۔ اس کے منحنی سے گلے میں غالباً شیر کا ساؤنڈ فکس تھا۔ میں نے اس کا مشورہ ماننے کا فیصلہ کیا۔ یہ ان کا اور مرزا کا معاملہ تھا۔

"جلیل مجھے بچالے۔" مرزا نے بلبلا کر فریاد کی "یہ مجھے بالکل مار دیں گے۔"

"سچ سچ۔" گینڈے نے اسے یقین دہانی کرائی "ذرا بھی نہیں چھوڑیں گے۔" اور جالے صاف کرنے والا برش گھما کر مرزا کی کمر پر رسید کیا۔ اس نے دل خراش چیخ ماری۔ پہلے میرا ارادہ اس پھڈے میں ٹانگ اڑانے کا ہرگز نہیں تھا لیکن مرزا کی چیخ کے ساتھ ایک خیال ذہن میں آیا۔ اگر میں مرزا کو ان سے بچا لیتا تو ممکن ہے وہ میرا کام مفت میں کر دیتا اور اسے جو کمیشن دینا پڑتا وہ سارے کا سارا میری جیب میں چلا جاتا۔ عام طور پر پراپرٹی ڈیلر کسی بڑے سودے کا دو فیصد لیتے ہیں۔ دونوں جانب سے اور جمی کی وہ کوٹھی جس علاقے میں تھی، وہاں اس کی کم سے کم مالیت بھی پچاس لاکھ تھی۔ یعنی اگر جمی سے ایک لاکھ ملتا تو اتنی ہی رقم اس کوٹھی کو خریدنے والے سے بھی ملتی۔ دو لاکھ روپے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

دوسری طرف ان دونوں بھائیوں کا خطرہ تھا جو اپنے اتحاد سے مجھے اور مرزا دونوں کو جاں بحق کر سکتے تھے۔ میں تذبذب میں تھا اور شاید تذبذب میں ہی رہتا کہ زرافے نے عقب سے مجھے دھکا دیا اور میں میز پر جا گرا۔ اس نے غرا کر کہا "جاتا ہے یا اٹھا کر باہر پھینک دوں۔"

اس کی دھمکی سے زیادہ اس کے لہجے نے مجھے سلگا دیا تھا۔ میں سہمے ہوئے انداز میں میز سے اٹھا اور اچانک دوڑ کر زرافے کی دونوں ٹانگوں کے درمیان سر ملا۔ اس بار اس کے منہ سے کسی فاقہ زدہ بلی کی چیخ نکلی تھی۔ جس کی دم دروازے میں آ گئی ہو۔ گویا یہی اس کا اصل ساؤنڈ تھا۔ شیر کی طرح غرانے کی وہ صرف نقل کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے بال پوائنٹ اس کی نہ ہونے کے برابر ران میں گھونپ دیا۔ اس موقع پر اس کے منہ سے ایسی آواز نکلی جیسے کوئی چوہا کتے کی طرح غرانے کی کوشش کرے۔ اس وقت میں پوری طرح فارم میں تھا۔ اس سے پہلے کہ گینڈا زرافے کے واویلے پر متوجہ ہوتا، میں نے میز سے ماربل کا پیپر ویٹ اٹھا کر اس کی کھوپڑی پر بجایا۔ اس وقت وہ جوش و خروش سے مرزا کو ایسے بجا رہا تھا جیسے پاپ سنگر کا ساتھ دینے والا ڈرمسٹ ڈرم بجاتا ہے۔ پیپر ویٹ لگتے ہی اس کا ہاتھ رک گیا۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ میں نے ایک بار پھر اس کا سر بجایا۔ جو مضبوطی میں کسی گینڈے کے سر سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ دوسری طرف ضرب لگانے کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ گینڈا اسی طرح کھڑا رہا تو مجھے اپنی عافیت خطرے میں نظر آئی۔ مرزا کی حالت سے لگ رہا تھا کہ وہ نزع کے آخری مراحل میں ہے۔ اس کے بعد میری باری تھی اور میری گوشمالی میں زرافہ

بھی پورے جوش وخروش سے حصہ لیتا حالانکہ مرزا کے خلاف اس نے انگلی بھی نہیں ہلائی تھی۔ میں نے تیسری ضرب لگانے کے لیے پیپر ویٹ اونچا کیا ہی تھا کہ گینڈا اسکرانے لگا اور پھر اچانک منہ کے بل گر کر دنیا سے غافل ہوگیا۔ زرافہ دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا اور .... اپنی زخمی ران کا ماتم کر رہا تھا۔ اس کے رویے سے صاف ظاہر تھا کہ دونوں بھائیوں میں اس کا کام صرف غرانا ہے یا وہ اپنی بلندی کا فائدہ اٹھا کر حریفوں پر نظر رکھتا تھا اور عملاً گینڈے کے ریڈار کا کام کرتا تھا مار پیٹ اور حریفوں کی گوشمالی گینڈے کے ذمے تھی۔

میں نے ایک انتقامی جذبے سے زرافے کو دیکھا، اس نے میرے یعنی جلیل الزماں کی توہین کی تھی۔ میں نے لپک کر اسے ایک اور ٹکر رسید کی۔ یہ پچھلی ٹکر کا ایکشن ری پلے تھا۔ ایک دل سوز ہائے کے ساتھ زرافے نے اپنا سر تسلیم میرے سامنے خم کیا اور میں نے پیپر ویٹ سے اس کا سر بجا کر اسے بھی اس کے بھائی کے ساتھ لٹا دیا۔ دونوں بھائی ایک منٹ میں بڑے اتحاد کی عظیم الشان مثال لگ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اب مجھے مرزا کے نزاعی کلمات سننے پڑیں گے اور اسے جھوٹی تسلی بھی دینی پڑے گی جس کے بعد وہ بالآخر میرے بازوؤں میں دم توڑ دے گا۔ اس حسرت ناک انجام کا سوچ کر مجھے ابھی سے رونا آ رہا تھا لیکن جب میں نے مرزا کی طرف دیکھا تو اسے وہاں نہیں پایا۔ وہ ایک بار پھر اپنی میز کے پاس کھڑا چیزیں سمیٹ کر بیگ میں ڈال رہا تھا میں بلاشبہ بھونچکا رہ گیا۔

''ابے تم مرے نہیں۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''پیپر ویٹ کہاں ہے؟'' مرزا نے میرا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔

میرا دل چاہا کہ اس بار پیپر ویٹ اس کے سر پر دے ماروں۔ آدمی شکریہ ادا نہ بھی کرے تو کم سے کم لہجے سے اس کا اظہار ہی کر دے لیکن مرزا بخت کا لہجہ ایسا تھا جیسے میں نے اس کا پیپر ویٹ چرانے کی مذموم کوشش کی ہے۔

''یہ رہا پیپر ویٹ۔'' میں نے اسے میز پر پٹخا۔

مرزا نے اسے بھی بے نیازی سے اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ انتہائی بے نیاز وہ اپنی پتلون کی طرف سے تھا جو پیچھے سے ذرا نم ہونے کی عملی تفسیر پیش کر رہی تھی۔ گینڈے نے مرزا کے پیٹ پر جو اچھل کود مچائی تھی اس نے مرزا کے نظام انہضام کو شدید طور پر متاثر کیا تھا۔ اسی لمحے گینڈے کے ڈکرانے کی آواز آئی۔ وہ ہوش میں آ رہا تھا۔ مرزا نے ''بھاگو'' کا نعرہ لگایا۔ میں پہلے ہی اس پر عمل پیرا تھا۔ دوسری منزل سے نیچے آتے آتے ایک بار میں براہ راست نیچے جاتے جاتے بچا اور دوسری بار مرزا سیڑھیوں سے لڑھک گیا لیکن اس کی خوش قسمتی کہ وہ آخری سیڑھی تھی۔ اس نے اٹھ کر سلیس اور بامحاورہ زبان میں گینڈے اور زرافے کی مدح سرائی کی۔ باہر آ کر اس نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

''اب میں کہاں جاؤں، یہ جان کے دشمن ہر جگہ پہنچ جائیں گے۔''

مرزا کی فریاد نے مجھے سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑا۔ ''فی الوقت تو تمہیں اس قابل بنانا ہے کہ تم کینٹے ڈی پھونس میں داخل ہو سکو۔ اس حالت میں تم کسی بکریوں کے باڑے میں بھی گئے تو وہ برا منائیں گی۔''

اس جگہ سے کچھ دور میں نے سڑک کے کنارے کچھ لنڈے والے دیکھے ہیں۔ مرزا کو ایک دیوار کے پاس کھڑا کر کے میں نے اس کے سائز کی پتلون لی اور مرزا سے واپس آ کر کہا ''اس جگہ کوئی پبلک باتھ روم نہیں ہے لہٰذا تم وہی کرو جو سب کرتے ہیں۔''

مرزا نے دانت نکالے ''ہاں پردہ آنکھ کا ہوتا ہے۔''

بدقسمتی سے مرزا نے جس جگہ پتلون کی تبدیلی کا عمل شروع کیا۔ وہاں ایک کتیا مع اپنے بچوں کے موجود تھی۔ مزید بدقسمتی کہ مرزا ان کی موجودگی محسوس بھی نہ کر سکا۔ ابھی اس نے پتلون اتاری ہی تھی کہ کتیا نے آ کر اس کا پائنچا پکڑ لیا۔ مرزا اس لحاظ سے خوش قسمت ثابت ہوا تھا کہ اس پائنچے میں اس کی ٹانگ نہیں تھی لیکن اس نے واویلا ایسے مچایا جیسے کتیا نے اس کی ٹانگ پکڑ رکھی ہو۔ میں نے گھبرا کر اندر دیکھا اور مرزا کو تین ٹانگوں کے ساتھ ناچتے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ذرا تاخیر سے مجھے احساس ہوا کہ مرزا کی ایک ٹانگ پتلون سے باہر تھی۔ کتیا کسی صورت منہ میں آیا پائنچا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ احمق مرزا اسے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''گدھے پتلون اتار دے۔'' میں نے چلا کر کہا ''مرزا نے فوراً میرے مشورے پر عمل کیا اور دوسرا پائنچا بھی اتار کر بھاگا۔ اس بار بھی میں آگے تھا۔ سب سے پیچھے کتیا تھی جسے خاصی تاخیر سے بے وقوف بننے کا احساس ہوا تھا۔ ذرا دیر بعد مرزا مجھ سے آگے تھا اور میں اس سے آگے ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالآخر کتیا نے ہار مان لی۔ میں نے بگٹٹ دوڑتے مرزا کو روکا۔ ''کک...... کتیا...... واپس...... چلی...... گئی ہے۔'' میں نے ہانپ ہانپ کر قسطوں میں کہا۔ مرزا نے بہ مشکل بریک لگائے تھے۔ اس کی وجہ میرا فرمان نہیں تھا بلکہ سامنے سے آنے والی خاتون تھی۔ مرزا اس سے ٹکراتے

ٹکراتے بچا تھا لیکن اس کی کوشش رائیگاں گئی تھی۔ جیسے ہی خاتون کو احساس ہوا کہ مرزا کی پتلون اس کی ٹانگوں کے بجائے اس کے ہاتھ میں ہے، اس نے دل دہلا دینے والی چیخ ماری۔

"مرزا بھاگ!" میں نے چلا کر کہا اور واپس بھاگا۔ مرزا میرے پیچھے تھا۔ عقب میں خاتون کا واویلا جاری تھا۔

کتیا جو ریس میں ہارنے کے باوجود فاتحانہ شان سے واپس جا رہی تھی، شور پر چونکی اور پھر اس نے ہمیں آتے دیکھا تو خود آگے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں نے مڑ کر اسے کہنا چاہا کہ اس سے پہلے کہ پولیس اسے فحاشی کے الزام میں دھر لے اسے پتلون چھین لینی چاہیے اور میں مرزا کو پتلون میں ملبوس پا کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ نہ جانے کب اس نے دوڑنے کے دوران ہی پتلون چڑھا لی تھی۔ مرزا میرے پاس سے گزرتے ہوئے چلایا "جلیل بھاگ...... سالا قسائی آ رہا ہے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا اور بغدا بدست قسائی کو تعاقب میں آتے دیکھ کر میری روح فنا ہوگئی۔ بغدے کو وہ کسی تیغ کی طرح لہرا رہا تھا اور غالباً مرزا کا سر قلم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ یقیناً خاتون کے واویلے پر جوش میں آ کر ہمارے پیچھے دوڑا تھا۔ مرزا کیونکہ آگے جا چکا تھا اس لیے میں اس کے پیچھے لگا۔ اسی وقت میرے پاس سے ایک بس گزری۔ وہ رفتار پکڑ رہی تھی۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے چھلانگ لگائی اور بس میں سوار ہوگیا۔ جیسے ہی بس مرزا کے پاس سے گزری میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے بھی کھینچ لیا۔ کھچا کھچ بھری بس میں اس طرح ایک مزید سواری کا اضافہ کرنے پر کنڈیکٹر نے مجھے پرتحسین نظروں سے دیکھا تھا۔ میں نے مرزا کو ایک اور قاتلانہ حملے سے بچا لیا تھا۔

برا اس قسائی کے ساتھ ہوا تھا جو خاتون کے ورغلانے پر ہمارے پیچھے دوڑا تھا۔ کھسیائی ہوئی کتیا نے ریس میں شکست کا بدلہ اس سے لیا تھا اور اپنی مختصر سی پناہ گاہ سے نکل کر قسائی کا پاؤں پکڑ لیا تھا۔ جسے چھڑانے کے لیے وہ ایک پاؤں پر ناچ رہا تھا۔ میں نے قہقہہ مارا۔ سالا ہمیں کاٹنے آیا تھا خود کو کٹوا بیٹھا۔ اچانک ہی میں نے قسائی کو بغدا بلند کرتے دیکھا اور بس نے موڑ کاٹا۔ میں نے چشم تصور سے آج قسائی کی سیل کو دگنا ہوتے دیکھا۔

"جلیل!" مرزا نے گھگیائی ہوئی آواز نکالی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ خواتین کمپارٹمنٹ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"مرزا! ابھی تو مرتے مرتے بچا ہے۔" میں نے خفگی سے کہا "ان حرکتوں سے باز آ جا۔"

"جلیل، وہی عورت!"

"پھر عورت۔" میں جھلا گیا لیکن جب میں نے مرزا کی بتائی ہوئی سمت دیکھا تو لیڈیز کمپارٹمنٹ کے دروازے پر ابھی خاتون کو لٹکے پایا۔ جن کے سامنے مرزا بنا پتلون کے چلا گیا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت انہوں نے مرزا کو دیکھ لیا اور چلائیں "ارے...... روکو...... ذرا بس، میں اس حرامی کو تو دیکھو...... بے غیرت......" اس کے بعد زنانہ گالیوں کی ایک طویل قطار تھی۔ گالیوں تک تو خیر تھی لوگ محظوظ بھی ہو رہے تھے مگر جب انہوں نے چلا چلا کر مرزا کے فحاشی کے مظاہرے کو ناقابل بیان الفاظ میں بتانا شروع کیا تو مجھے مرزا کے ساتھ اپنی عافیت بھی خطرے میں نظر آنے لگی۔ خاتون کا گلا خالہ لاؤڈ اسپیکر کی ٹکر کا تھا۔ اور اس کا اسٹیریو ساؤنڈ پوری بس میں صاف سنا جا رہا تھا۔

"مرزا! اذیت ناک موت مرنے سے بہتر ہے بس سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لیں۔" میں نے مشورہ دے دیا۔

"میں کیوں بس سے چھلانگ لگاؤں۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"بس تو پھر اپنے دفتر میں ہونے والے سین کے ایکشن ری پلے کے لیے تیار ہو جا۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ وہاں مارنے والے دو تھے یہاں دو سو ہوں گے اللہ تیری مغفرت کرے۔" کہتے ہوئے میں نے بس سے چھلانگ لگا دی۔ پہلے سے خاصی مشق تھی اس لیے صرف ایک گھٹنا چھلا اور کہنی پر خراش آئی۔ مرزا کو میں نے سو گز آگے پھینکے جانے کے انداز میں بس سے گرتے دیکھا۔ اس نے فٹ پاتھ پر کئی شاندار قلابازیاں کھائیں اور قسمت کا حال بتانے والے نجومی کے ٹھیے پر جا گرا۔ جب تک میں دوڑ کر وہاں پہنچا، مرزا اور نجومی کا طوطا دونوں جاں بحق ہو چکے تھے۔ کم سے کم آثار سے تو ایسا لگ رہا تھا۔ سال خوردہ نجومی اپنے ٹھیے کا حشر دیکھ کر دل کے دورے کی کیفیت میں مبتلا ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

میں نے مرزا کو چیک کیا۔ اس وقت نجومی ایک ہاتھ سے دل تھامے دوسرے ہاتھ سے اپنے طوطے کا معائنہ کر رہا تھا۔ مرزا بدبخت زندہ تھا۔ اس کی خودکشی کی کوشش ناکام رہی تھی۔ اسی لمحے نجومی کا طوطا بھی اچھل کر چلایا "جاگو...... بم گرا ہے...... جاگو۔"

کچھ دیر پہلے ہارٹ اٹیک سے مرنے والا نجومی اب غالباً شادی مرگ کا شکار ہونے لگا تھا۔ اپنے بڑھاپے کے سہارے

کو زندہ پا کر...... اس نے طوطے کو سینے سے لگالیا جو اڑنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اسے چمکارنے لگا کہ اس پر بلائے ناگہانی کی طرح گرنے والی شے کوئی بم نہیں بلکہ ایک بدبخت شخص تھا جسے ٹکٹ کے بغیر سفر کرنے کے جرم میں بس سے پھینکا گیا تھا۔ ''کاش کہ بس والے یہ کام ذرا تاخیر سے کرتے۔'' نجومی نے اپنے ٹھیے سے ذرا آگے کھلے فٹ پاتھ کو دیکھ کر سرد آہ بھری۔ میں نے طوطے کے پینے کے لیے رکھا پانی کا کونڈا مرزا کے سر پر خالی کر دیا۔ مرزا ہوش میں آنے لگا۔ بڑھاپے کے باعث نجومی کے تمام جذبات بالکل ہی سرد پڑ گئے تھے یا وہ اہنسا کا پجاری تھا۔ اس ساری تباہی پر اس نے ملامت کا ایک لفظ بھی نہیں کہا حالانکہ وہ اگر مرزا کے آباؤاجداد کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتا یا اس کے شجرے میں اپنے بزرگوں کا اضافہ کر لیتا تو اس میں بالکل حق بہ جانب ہوتا۔ مرزا نے اس کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ اس کے کارڈز اوپر نیچے کر دیے تھے۔ یہ سارے دوبارہ ترتیب دینے پڑتے۔ اس کے علاوہ زائچے والا بورڈ مڑ گیا تھا اس میں زحل اور مریخ یکجا نظر آ رہے تھے۔ مزید براں مرزا نے نجومی کے لنچ کا بھی ستیاناس کر دیا تھا۔ ٹفن کھل گیا تھا اور کباب پراٹھے سڑک پر پڑے تھے۔ بالآخر میری کوششوں سے مرزا ہوش میں آیا۔

''میں کہاں ہوں؟'' اس نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

''اصولاً تمہیں تھانے، اسپتال یا مردہ خانے میں ہونا چاہیے تھا لیکن تم اس دنیا میں ہو۔''

مرزا نے اٹھ کر اپنا معائنہ کیا اور خود کو صحیح سلامت پا کر سکھ کا سانس لیا ہی تھا کہ بے ضرر سے نظر آنے والے نجومی نے یک دم اچھل کر اس کی گردن پکڑ لی۔ ''ارے لوگو...... دوڑو...... اس بدبخت نے مجھے برباد کر دیا...... میری ساری عمر کی کمائی تباہ کر دی...... ہائے میں لٹ گیا۔''

نجومی نے شور مچانے کے لیے بالکل صحیح وقت کا انتخاب کیا تھا جب اس نے مرزا کو صحیح سلامت پایا ورنہ اس سے پہلے وہ شور کرتا تو رائیگاں جاتا۔ اس وقت مرزا ایسا آدمی تھا جس نے ایک بوڑھے کی روزی پر لات ماری تھی۔ سب سے پہلے نجومی کے عقب میں کام کرنے والا موچی آیا۔ اس نے مرزا کی گردن نجومی کے ناتواں ہاتھوں سے نکال کر اپنے مضبوط ہاتھوں میں دبوچ لی اور غرا کر بولا ''خدائی خوار...... ام تمہارا سول نکال دے گا۔ ابی نجومی چاچا کا نقصان پورا کرو۔''

''اس کا کیا نقصان ہوا ہے۔ صرف کارڈ بے ترتیب ہوئے ہیں۔ ایک بورڈ ٹیڑھا ہوا ہے اور کباب پراٹھا زمین پر گر گیا۔'' میں نے اعتراض کیا ''کارڈ یہ پھر ٹھیک کر لے گا۔ بورڈ میں سیدھا کر دیتا ہوں اور یہ ذرا ہمت کرے تو کباب پراٹھا بھی جھاڑ کر کھا سکتا ہے۔''

یہ سن کر موچی ذرا ڈھیلا ہوا تھا۔ اس پر نے مرزا کی گردن چھوڑ دی اور پیچھے ہٹ گیا۔

''چاچا...... اپنا جھگڑا خود نمٹاؤ...... ام کو کام کرنا ہے۔'' وہ جا کر واپس اپنے اڈے پر بیٹھ گیا۔

طاقت ور بندے کے جاتے ہی چاچا نجومی دوبارہ بےچارہ بن گیا تھا۔ اس نے مظلوم سی صورت بنا کر فریاد کی ''ارے میرا کچھ نقصان تو پورا کرتے جاؤ۔''

میں نے جیب سے دو روپے کا سکہ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھا۔ ''اس سے اپنے طوطے کو کچھ کھلا دینا۔ صورت سے فاقہ زدہ نظر آ رہا ہے۔''

''بھاگ حرامی۔'' طوطے نے کہا تو میں اچھل پڑا۔

''اسے گالیاں سکھائی ہیں تم نے۔'' میں بولا تو نجومی مسکرانے لگا۔

''جاتا ہے...... یا تیری تو......'' اس کے آگے وہ خاص گالیاں تھیں جو صرف تھانے کی حدود میں جائز سمجھی جاتی ہیں۔

''چل...... کس کے منہ لگ رہا ہے۔'' مرزا نے مجھے کھینچا۔

مرزا کی ڈھٹائی نے مجھے متاثر کیا تھا۔ پہلے وہ سرکس برادران کے قاتلانہ حملے میں جاں بہ حق ہونے سے بچ گیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی پھر وہ بس سے گر کر بھی ثابت رہا۔ اس کے چیں نہیں ہوئے اور آخر میں خان نے اس کی گردن میں سوراخ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس نے پوچھا ''اب کہاں جانا ہے؟''

اصولاً تو مجھے کیفے ڈی پھوس جانا چاہیے تھا لیکن میں مرزا بدبخت کو وہاں نہیں لے جانا چاہتا تھا کہ مبادا اس کی کوئی بدقسمتی پیچھا کرتے وہاں تک نہ آ جائے۔ زیادہ خطرہ مجھے سرکس برادران کا تھا۔ مرزا نے ان کے ساتھ کچھ ایسا ضرور کیا تھا کہ وہ اسے جاں بہ حق کرنے پر تل گئے تھے۔ ایک ٹھیلے سے فی کس ایک پاؤ۔ بریانی اور آدھا پاؤ زردہ کھا کر ہم ایک ملباری ہوٹل میں آ بیٹھے۔ بیرے نے بنا پوچھے دو چائے لا کر سامنے رکھ دیں۔ مرزا نے جیب سے بیڑی نکال کر سلگائی۔ وہ میں نے اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اس پر اس نے خاصی غلط نظروں سے مجھے دیکھا اور دوسری بیڑی سلگائی۔

''ہاں اب بتا...... یہ سارا چکر کیا ہے؟'' میں نے دھواں خارج کیا۔

''یہ سارا چکر ہی بدنصیبی کا ہے۔'' یک لخت مرزا پر رقت

طاری ہوگئی ''میری شامت اعمال مجھے اس چکر میں کھینچ کر لے گئی تھی۔ میری بدبختی نے مجھے اس میں ڈالا تھا۔''

''تیری تیرہ بختی پر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔'' میں نے خلوص نیت سے کہا ''لیکن یہ لفاظی چھوڑ کر مجھے سیدھے سادے الفاظ میں بتا کہ تجھ پر قاتلانہ حملہ کیوں ہوا۔ جس میں تو صرف میری وجہ سے جاں بہ حق ہونے سے بچ گیا۔''

''مرزا بدبخت کوئی تر نوالہ نہیں ہے۔'' اس نے برا مان کر کہا۔

''ہاں تو سوپ ہے جسے وہ پی جانے کی کوشش کر رہے تھے۔'' میں نے دانت نکالے ''اب اصل موضوع کی طرف آجا۔ تجھ پر پہلے ہی میرا بہت وقت ضائع ہو چکا ہے۔''

☆☆☆

جیسا کہ میں نے بتایا مرزا پیدائشی کمیشن ایجنٹ تھا۔ وہ کمیشن لے کر کوئی بھی کام کروا سکتا تھا۔ پراپرٹی ڈیلنگ اس کی متقدر صلاحیتوں کا ایک معمولی سا حصہ تھی (بقول اس کے) اور اس معمولی سے حصے کی وجہ سے وہ آج کم سے کم دو بار فوت ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اس سے اس کی باقی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس روز وہ دفتر میں بیٹھا حساب کتاب دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک شریف اور متمول نظر آنے والے بزرگوار اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے قیمتی شیروانی پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں ہاتھی دانت کے دستے والی چھڑی تھی۔ پاؤں میں چم چم کرتے پمپی شوز تھے۔ ایک ہاتھ کی درمیانی انگلی میں خاصے بڑے زمرد کی انگوٹھی اور آنکھوں پر سونے کی فریم والی عینک تھی۔ سر پر انہوں نے قراقلی ٹوپی لگا رکھی تھی۔ ان کی شخصیت بغیر کچھ کہے ظاہر کر رہی تھی کہ موصوف خاندانی رئیس تھے۔ مرزا انہیں دیکھ کر سراپا استقبال بن گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کے قدموں میں بچھ جائے۔ (یہ میرا اندازہ تھا)

''خاکسار کو اعظم علی شاہ کہتے ہیں۔'' بزرگ وار نے تعارف کرایا۔

''میں...... مرزا بخت بیگ۔'' مرزا نے دانت نکالے ''فرمایئے کیسے تشریف لائے؟''

''بھئی ایک کوٹھی کرائے پر دینی ہے۔'' وہ بولے ''دراصل اولاد تو سب عرصہ ہوا دیار فرنگ میں ہے، ہمیں بھی اپنے پاس بلانے کے لیے بے چین تھے۔ بلاوے پر بلاوے آرہے تھے۔ پھر ہم بھی ذرا بور ہونے لگے تھے اس لیے ہم نے انگلستان جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب وہاں سے سال بھر سے پہلے تو واپسی ممکن نہیں ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اپنی کوٹھی سال بھر کے لیے کرائے پر اٹھا دیں۔ اس کے بعد دل چاہا تو واپس آجائیں گے۔''

''ماشاء اللہ کیا نیک ارادے ہیں۔'' مرزا نے بلاوجہ تعریف کی ''کوٹھی کہاں ہے۔ کتنے رقبے پر ہے، مکانیت کہاں ہے؟''

''بھئی کوٹھی خاص علاقے میں نہیں ہے۔ اسکیم نمبر ون دیکھی ہے آپ نے...... پیر پگارا صاحب کی لائن میں ہے۔ بھی کوئی دو ہزار گز پر۔ دو منزلہ ہے نیچے چھ بیڈ روم ہیں۔ دو ڈرائنگ روم اور دو ڈائننگ ہیں۔ اوپر بھی چھ بیڈ روم لیکن ڈرائنگ اور ڈائننگ ایک ایک ہی ہے۔ کوٹھی کے عقبی لان کے ساتھ سوئمنگ پول اور ٹینس کورٹ بھی ہے۔ گیراج ہے جس میں ہماری مرسیڈیز کے علاوہ بھی تین کاریں آسکتی ہیں۔''

''ماشاء اللہ۔'' مرزا کی باچھیں کھل گئی تھیں ''کرایہ اور ایڈوانس وغیرہ کیا لیں گے؟''

''دیکھو میاں، بات ہم کھری کریں گے۔ کوٹھی ہم فرنش دیں گے اس لیے ایڈوانس دس لاکھ ہوگا۔ کرایہ نوے ہزار روپے ماہانہ اور سال بھر کا پیشگی دینا ہوگا۔''

''نوے ہزار ماہانہ۔'' مرزا کے گھٹنے کانپنے لگے تھے۔ اس کا مطلب تھا اس کا کمیشن دونوں طرف سے ملا کر کم سے کم بھی ڈیڑھ لاکھ تو بنتا ہی۔ اعظم علی شاہ اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔

''ہم ذرا جلدی میں ہیں لیکن لوگ اچھے اور خاندانی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری شوق سے بنائی کوٹھی کا ناس پیٹ دیں۔''

''اس کی آپ فکر نہ کریں۔ میرے پاس ایک سے بڑھ کر ایک خاندانی آدمی آتا ہے۔ انشاء اللہ آپ کی کوٹھی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔''

''تب ہم چلتے ہیں۔'' اعظم علی شاہ کھڑا ہو گئے ''یہ ہمارا کارڈ ہے۔ اس پر ہمارا موبائل نمبر بھی ہے اس پر رابطہ کرنا کیونکہ ہم ان دنوں پی سی میں ٹھہرے ہیں۔ گھر میں اکیلے جی گھبراتا ہے۔ کارڈ پر پتا بھی ہے۔ وہاں چلے جانا چوکیدار تمہیں کوٹھی دکھا دے گا۔'' یہ کہہ کر اعظم علی شاہ اس سے مصافحہ کیے بغیر رئیسانہ شان سے چلتے اس کے دفتر سے نکل گئے۔

مرزا کی آنکھوں کے سامنے سرمئی نوٹ رقص کر رہے تھے اور اس نے یہ سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ ایسے علاقے میں رہنے والے کو اس جیسے معمولی پراپرٹی ڈیلر کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی بلکہ اسے کسی بھی پراپرٹی ڈیلر کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے بلاوے پر شہر بھر

السلام علیکم

ہمیں اپنے نئے بلاگ (ویب سائیٹ) کے لئے رائٹرز کی
ضرورت ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی ممبر ناول، افسانہ،
ناولٹ لکھنا چاہے تو ہم سے کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔ اپنی تحریر
اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی
کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتہ کے
اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ہمیں
ای-میل کریں یا ان بکس میں میسج کریں۔

شکریہ

Email Address: - aatish2kx@gmail.com

کے ڈیلرز دوڑے چلے آتے۔ اگر اسے اپنی کوٹھی کرائے پر دینے کے لیے واقعی کسی ڈیلر کی ضرورت ہوتی تو۔

اعظم علی شاہ کے جانے کے ایک گھنٹے کے اندر اندر مرزا اس کوٹھی پر جا پہنچا۔ چوکیدار نے اسے دیکھ کر بے رخی سے کہا۔ ''ارے جاؤ..... ابی امارا صاب نہیں اے۔''

''مجھے تمہارے صاب نے بھیجا ہے۔'' مرزا نے اس کے سامنے کارڈ لہرایا ''انہوں نے کہا تھا کہ تم کوٹھی دکھاؤ گے۔ میں پراپرٹی ڈیلر ہوں۔ اسے کرائے پر اٹھاؤں گا۔''

چوکیدار خوش ہو گیا ''اچا تم کو صاب نے ادر بیجا اے۔ آؤ اندر آؤ۔''

وہ مرزا کو اندر لے گیا۔ اس کے پاس کوٹھی کی چابیاں تھیں۔ اس نے دروازہ کھول کر اسے اندر بلایا۔ ''یہ بڑا والا کمرا اے مہمانوں کے واسطے..... یہ چوٹا اے..... یہ بڑے صاب کا سونے کا کمرا ہے..... اور یہ بیگم صاب کا..... ان کا انتقال ابی سال میں ہوا ہے۔'' وہ اسے سارا گھر دکھا رہا تھا۔

فرنیچر اور آرائش دیکھ کر مرزا کی آنکھیں ایسی کھلی رہ گئیں جیسے مچھلی کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں۔ اس کوٹھی کی ہر چیز لاجواب تھی۔ مرزا کے خیال میں اس کوٹھی کے لیے دس لاکھ ایڈوانس اور نوے ہزار کرایہ کم تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ زیادہ بتائے گا۔ اس کا کرایہ کم سے کم ایک لاکھ ہونا چاہیے۔ مالک ہر شے کے ساتھ کوٹھی کرائے پر دے رہا تھا۔

اگلے روز مرزا کوٹھی کے بارے میں اشتہار دینے کا سوچ رہا تھا۔ کیونکہ اس معیار کا گاہک اس کے دفتر کے پاس سے بھی گزرنا پسند نہ کرتا۔ اسی لمحے دروازہ دھماکے سے کھلا، گینڈا اور زرافہ اندر داخل ہوئے۔ گینڈے نے اعلان کیا ''میں سوار خان ہوں۔''

''کس پر سوار؟'' مرزا کے منہ سے نکلا۔

''میں سوار نہیں ہوں۔ میرا نام سوار خان ہے۔'' اس نے برا مان کر کہا ''اس کے عقب میں جو چیز اندر آئی، وہ سطح سمندر سے خاصی بلندی پر پائی جاتی تھی۔ اس نے غرا کر کہا ''میں پیدل خان ہوں۔''

مرزا نے بہ مشکل خود کو کہنے سے روکا ''عقل سے۔''

''ہم دونوں بھائی ہیں۔'' گینڈے یعنی سوار خان نے مرزا کو حیران کرتے ہوئے کہا۔ ویسے اس کے بارے میں مرزا کا فوری خیال یہ تھا کہ اگر وہ کسی چیز پر سوار ہو بھی جائے تو پیدل ہی نظر آئے گا۔ جیسے اس کا بھائی پیدل ہونے کے باوجود بلاوجہ سوار نظر آتا تھا۔ دونوں آ کر کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔

''جب والد صاحب کو میرے پیدا ہونے کی اطلاع ملی تو وہ گھوڑے پر سوار آ رہے تھے۔'' سوار خان نے فخر سے بتایا۔

''اس لیے آپ کا نام سوار خان رکھ دیا۔'' مرزا نے سر ہلایا ''اور ان کی باری..... میں شاید ان کا گھوڑا پنکچر ہو گیا تھا۔''

''گھوڑا کیسے پنکچر ہو سکتا ہے؟'' پیدل خان خفگی سے بولا ''اس نے نشانے بازی کی مشق کرتے ہوئے گھوڑے کو گولی مار دی تھی۔'' اس نے سوار خان کی طرف اشارہ کیا۔

''میرا نشانہ بچپن سے اچھا ہے۔'' سوار خان نے فخر سے کہا۔

''جب بھائی نے بابا کے دوسرے گھوڑے کو بھی گولی مار دی تو انہوں نے ہمیں یہاں بھیج دیا تھا۔''

گینڈے نے کھا جانے والی نظروں سے بھائی کو دیکھا۔ ''بکواس کرنے کے بجائے اسے بتاؤ کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔''

''ہمیں ایک مکان کی تلاش ہے۔'' پیدل خان نے اپنی ساڑھے چھ انچ لمبی مونچھوں کو ہلاتے ہوئے کہا۔

''مکان کیسے کھو سکتا ہے۔'' مرزا بولا ''ہم..... میرا مطلب ہے آپ کو رہنے کے لیے مکان چاہیے؟''

''نہیں تمہارا مزار شریف بنانے کے لیے۔'' سوار خان غرایا ''مکان اور کس لیے چاہیے ہوتا ہے!''

''آپ کو کس قسم کا مکان چاہیے؟'' مرزا نے کاغذ اور پنسل سنبھالی۔

''بڑا سا ہو۔ دس بارہ کمروں والا..... اس میں پانی کا تالاب ہو اور باغ بھی ہو۔''

''آپ کا مطلب ہے سوئمنگ پول اور لان؟'' مرزا نے پنسل میز پر بجائی۔

''وہی..... وہی.....'' سوار خان نے سر ہلایا۔

''مل جائے گا۔ لیکن اتنا بڑا گھر بہت مہنگا ہوتا ہے۔''

''بھلے ہو..... ہم کو کرائے پر چاہیے۔'' پیدل خان نے کہا۔

''اس کا کرایہ اور ایڈوانس بھی کم نہیں ہو گا۔''

''بھلے ہو۔'' پیدل خان غرایا ''کیا تم نے ہمیں غریب سمجھا ہے۔ ابھی کہو تو تم سمیت تمہارا دفتر خرید لیں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔'' مرزا بوکھلا گیا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ دو قدرتی احمق چل کر اس کے پاس آ گئے تھے۔ اگر وہ اس کے پاس سے ناراض ہو کر چلے جاتے تو یہ اس کی حماقت ہوتی۔ اس نے باچھیں پھیلاتے ہوئے کہا

"آپ لوگ تو صورت سے رئیس نظر آتے ہیں۔"

"ہمارے باپ کے پاس مردان میں دو سو ایکڑ زمین ہے۔" پیدل خان نے فخر سے کہا "اس پر پاکستان کا بہترین تمباکو اگتا ہے۔ چیو تم بھی۔" اس نے ایک پاؤچ نکال کر مرزا کو دیا جس میں خوشبودار تمباکو تھا۔

معاً مرزا کے ذہن میں ایک خیال الہام کی طرح آیا۔ یہ دونوں رئیس زادے اعظم علی شاہ کی کوٹھی کے لیے بہترین امیدوار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا جب سوار خان نے پوچھا کہ اس کے پاس کوئی بہت ہی اچھا مکان ہے تو اس نے جواب دیا۔

"خان صاحب...... میرے پاس بہت اچھے سے بھی زیادہ اچھا مکان بلکہ کوٹھی ہے لیکن اس کا کرایہ اور ایڈوانس بہت زیادہ ہے۔"

"پروا نہیں ہمارے باپ کا پیسہ بہت ہے۔" سوار خان بولا "وہ چھ مہینے کے لیے ادھر آ رہا ہے۔"

"کوٹھی میں کون رہے گا؟" مرزا چونکا۔

"ہمارا خاندان...... ہمارا باپ...... اس کی چار بیویاں...... اور سولہ بچے لوگ...... اتنے لوگوں کے لیے بڑا مکان چاہیے۔" سوار خان نے کہا۔

"دراصل بابا ادھر سگریٹ کی فیکٹری لگانے کے لیے آرہا ہے۔" پیدل خان نے بتایا۔

مرزا نے چشم تصور سے دیکھا کہ یہ ریوڑ اس شاندار کوٹھی کا کیا حشر کر رہا ہے لیکن اس کی بلا سے...... اسے تو اپنے کمیشن سے غرض تھی۔ ایک اچھے بروکر کی طرح اس نے قیمت بتا کر گاہک بھگانے کے بجائے اسے چیز دکھا کر پکڑنے کا سوچا "میرا خیال ہے پہلے آپ دونوں چل کر کوٹھی دیکھ لیں۔"

"چلو ہمارے پاس گاڑی ہے۔ بابا نے علاقہ غیر سے بھجوائی ہے۔" پیدل خان نے اسے آگاہ کیا۔

گاڑی دیکھ کر مرزا کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ یہ شاندار لینڈ روور جیپ تھی۔ جو یقیناً افغانستان سے درآمد کی گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ کاش یہ بابا ان دو احمقوں کے بجائے اس عقل مند کا باپ ہوتا۔ اس نے فوری طور پر تسلیم کر لیا کہ یہ پیدل و سوار خان اس کے مطلب کی آسامی تھے۔ راستے بھر وہ کوٹھی کے حسن و جمال کی تعریفیں کرتے ان کا اشتیاق بڑھاتا رہا۔ پیدل خان ان سب کی جان ہتھیلی پر رکھ کر ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس لیے مرزا کی گفتگو کچھ اس طرح سے جاری تھی۔

"خان صاحب اتنی شاندار کوٹھی ہے...... یہ ذرا دائیں طرف دیکھ کر......"

پیدل خان نے دائیں طرف سے آنے والی بائیک کے بجائے سڑک کے پار دیکھا "یہ تو دماغی امراض کا اسپتال ہے۔"

"میں بائیک والے کی بات کر رہا تھا۔" مرزا نے ٹھنڈی سانس لی "خیر جانے دیں...... تو میں کہہ رہا تھا فرنیچر اتنا نفیس اور شاندار ہے کہ بس...... آپ دیکھیں تو...... ذرا آگے دیکھیں۔" مرزا چلایا۔

دونوں بھائیوں نے فٹ پاتھ پر جاتی لڑکیوں کی چال غور سے دیکھی۔ سڑک پر چلنے والے بڑے میاں نہ جانے کیسے بچ گئے۔ سوار خان نے تعریف کی "لڑکی تو اچھی ہے مرزا تمہاری نظر کی داد دینی چاہیے۔"

مرزا نے ایک بار پھر ٹھنڈی سانس لی اور بیان جاری رکھا "کوٹھی کا مالک ایک جدی پشتی رئیس ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس کی پسند اور ذوق کیسا ہوگا۔ اگر آپ خود اس سے ملیں تو کہیں گے...... کتا......" مرزا پھر چلایا۔

سوار خان چونکا "کوٹھی کا مالک کتا...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

مرزا کا دل چاہا کہ انہیں بتائے کہ جب ان جیسے گدھے اس شاندار جیپ کے مالک ہو سکتے ہیں تو ایک کتا کسی کوٹھی کا مالک کیوں نہیں ہو سکتا۔ اس نے دل ہی دل میں انہیں بے نقط سناتے ہوئے منہ سے کہا "جناب! میں اس کتے کی بات کر رہا تھا جو ابھی آپ کی گاڑی کے نیچے آتے آتے بچا ہے۔"

"تم کتے کی فکر مت کرو۔ ہمیں کوٹھی کے بارے میں بتاؤ۔"

"کوٹھی آ گئی ہے جناب۔"

کوٹھی کا چوکیدار حسب سابق مونچھیں پھیلا کر ان سے ملا اور انہیں کوٹھی دکھانے اندر لے گیا۔ کوٹھی کی آرائش اور اشیا دیکھ کر سوار اور پیدل خان دنگ رہ گئے تھے۔ پیدل خان نے تو اندر ہی ضد شروع کر دی تھی کہ یہ کوٹھی انہیں بہر صورت لینی ہے۔ سوار خان البتہ کسی قدر ہوشیار تھا۔ اس نے اپنا اشتیاق ظاہر ہونے نہیں دیا لیکن مرزا کا اندازہ تھا کہ اندر سے وہ بھی پیدل خان کی طرح مچل رہا تھا۔ باہر آتے آتے اس کا ضبط جواب دے گیا۔

"ہم یہ کوٹھی لیں گے۔ اس کا ایڈوانس اور کرایہ بتاؤ۔"

"خان صاحب آرام سے دفتر میں بیٹھ کر بات ہوگی۔" مرزا نے چوکیدار کے سامنے اس قسم کی گفتگو مناسب نہیں سمجھی تھی۔ گفتگو کرنے کے اشتیاق میں پیدل خان نے ایک بار پھر ان سب کی زندگیاں داؤ پر لگا کر ڈرائیونگ کی تھی۔ مرزا کا دم

ٹھیک ہوتا رہا۔ صحیح سلامت دفتر واپس آنے پر اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ سوار خان اب پہلے سے بھی زیادہ بے تاب تھا۔

''ہاں اب بولو...... کتنا ایڈوانس ہے اور کتنا کرایہ ہے؟''

مرزا نے ان کے لیے چائے کا آرڈر دیا۔ چائے آنے تک وہ انہیں باتوں میں بہلاتا رہا۔ آخر چائے آئی تو اس نے ان کو بتایا ''خان صاحب، آپ نے کوٹھی دیکھ لی ہے۔ اتنی شاندار کوٹھی اور وہ بھی ایسے پوش علاقے میں کسی بھی کرائے پر سستی ہے۔ اس کا کرایہ صرف ایک لاکھ روپے ماہانہ ہے۔''

''ایک لاکھ روپے!'' سوار خان مرے ہوئے انداز میں بولا ''یہ زیادہ نہیں ہے؟''

''بالکل زیادہ نہیں ہے۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اور ایڈوانس؟'' پیدل خان نے دریافت کیا۔

''صرف دس لاکھ روپے۔'' مرزا نے کہا ''اور جتنے عرصے کے لیے بھی کوٹھی لیں کم سے کم ایک سال کا کرایہ پیشگی دینا ہوگا۔''

''یعنی سولہ لاکھ روپے۔'' سوار خان نے حساب لگایا۔ ''ہمیں کوٹھی صرف چھ مہینے کے لیے چاہیے۔''

''تو سولہ لاکھ دینا ہوں گے اور ایک لاکھ روپے میرا کمیشن ہوگا۔''

''تمہارا کمیشن ایک لاکھ روپے کیوں؟'' پیدل خان نے اعتراض کیا۔

''کیونکہ جو شخص کسی کی جائداد کرائے پر دلواتا ہے ایک مہینے کے کرائے کے برابر کی رقم اس کا کمیشن ہوتی ہے۔''

''بھائی بات کرلو۔'' پیدل خان نے سوار خان کے کان میں بآواز بلند سرگوشی کی ''مجھے کوٹھی اچھی لگی ہے۔''

''اچھی کے بچے۔ ہمارے پاس اتنی رقم کہاں ہے؟'' سوار خان نے بھنا کر کہا۔

مرزا کا دل ڈوبنے لگا۔ یہ بھائی اتنے رئیس نہیں تھے جتنا کہ وہ سمجھ رہا تھا۔ بہرحال اس نے ہمت نہیں ہاری ''یہ بتائیں کہ آپ کے پاس کتنی رقم ہے؟''

''ابھی ہمارے پاس صرف پانچ لاکھ ہیں۔''

''صرف پانچ لاکھ۔'' مرزا کو مایوسی ہوئی تھی ''اعظم علی شاہ شاید ہی مانے۔''

''اگر تم کوشش کرو تو شاید مان جائے۔'' سوار خان نے پرامید لہجے میں کہا۔

''باقی رقم بابا آکر دے گا، ابھی وہ فصل کا سودا کر رہا ہے۔'' پیدل خان نے لقمہ دیا۔

''ایسا کریں آپ کل آجائیں۔ میں شاہ صاحب سے بات کروں گا۔''

چائے پی کر سوار خان اور پیدل خان رخصت ہو گئے۔ ان کے جاتے ہی مرزا نے شاہ صاحب کے موبائل پر کال کی اور انہیں ان خان بھائیوں کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے مایوسی سے کہا ''صرف پانچ لاکھ لے کر ہم اپنی عالی شان کوٹھی ان لوگوں کے حوالے کردیں۔ پانچ لاکھ سے زیادہ کا تو اس میں فرنیچر ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن یہ بھی خاندانی لوگ ہیں۔ بلند خان اپنے قبیلے کے سردار ہیں اور حیثیت میں کسی طرح بھی کم نہیں ہیں۔'' مرزا نے مبالغے سے کام لیا۔

''باقی کے گیارہ لاکھ وہ کب دیں گے؟''

''جیسے ہی سردار کراچی آئے اور کوٹھی میں رہائش اختیار کی آپ کو باقی رقم بھی مل جائے گی۔''

''ہمیں منظور ہے لیکن تمہارا کمیشن اس وقت ملے گا جب باقی گیارہ لاکھ ہمیں ملیں گے۔''

''مجھے اس کی فکر نہیں ہے۔'' مرزا نے بادل ناخواستہ خوش دلی سے کہا۔

''ایک ایگری منٹ تیار کرلو اور ان سے کہو کہ پرسوں تک رقم لے کر آئیں۔ کل ہم نہیں آسکیں گے کیونکہ ایک تقریب میں جانا ہے۔'' اعظم شاہ نے کہہ کر موبائل بند کردیا۔

مرزا کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ اس نے فوری طور پر سرکس برادران کو فون کر کے خوشخبری سنائی کہ اعظم علی شاہ انہیں اپنی کوٹھی کرائے پر دینے کے لیے تیار ہے۔ اس نے ان سے کہا ''میں کل ایگری منٹ تیار کرلوں گا۔ آپ پرسوں صبح پانچ لاکھ روپے لے کر آئیں لیکن کیش ہونے چاہئیں۔''

''ہم آجائیں گے۔'' اس نے مرزا کو یقین دہانی کرائی۔

قصہ مختصر اگلے روز سوار خان اور پیدل خان آکر اعظم علی شاہ کو پانچ لاکھ دے گئے اور باقی کے گیارہ لاکھ پہلی تاریخ کو دینے کا وعدہ کیا۔ جب وہ کوٹھی میں آجاتے۔ سرکس برادران نے مرزا سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے کمیشن کی رقم بھی وہ اپنے ابا جان کے آنے پر دیں گے۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب وہ پہلی تاریخ کو مرزا کا کمیشن دینے کے بجائے اس کی جان لینے آگئے۔ سوار خان نے اندر آتے ہی اچھل کر مرزا کی گردن دبالی تھی اور اس کی ولدیت میں ایک ناپاک جانور کا اضافہ کرتے ہوئے دریافت کیا ''وہ خبیث کا بچہ کہاں ہے؟''

''کون؟'' مرزا نے بہ مشکل کہا۔

"وہی جو خود کو اعظم علی شاہ کہتا ہے۔ جس نے ہم سے پانچ لاکھ روپے لیے تھے۔"

"وہ پی سی میں ٹھہرا ہے اور اس کا پتا معلوم کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔" مرزا نے اپنی گردن چھڑائی۔

"یہی طریقہ صحیح ہے۔ وہ خبیث جس کوٹھی کے ہم سے پانچ لاکھ لے گیا ہے، وہ اس کی ہرگز نہیں ہے۔"

مرزا دنگ رہ گیا "اس کی نہیں ہے، پھر کس کی ہے؟"

"تمہارے باپ کی۔ جب ہم نے اپنا سامان لے جانے کی کوشش کی تو چوکیدار نے اندر جانے نہیں دیا۔ چوکیدار بھی وہ نہیں تھا جب ہم نے شور کیا تو اندر سے ایک کارٹون نکل آیا۔ اس نے کہا کہ اس کوٹھی کا مالک وہ ہے۔ لہٰذا کوئی حرام زدہ سی اور حرام زادے کو اسے کرائے پر کیسے دے سکتا ہے۔ سنا تم نے......" سوار خان نے ایک بار پھر مرزا کی گردن دبوچ لی۔ "ہمارے ساتھ فراڈ ہوا ہے اور اس میں تم برابر کے شریک ہو۔ اگر ہمارے پانچ لاکھ نہیں ملے تو تمہارے پانچ لاکھ ٹکڑے کر دیں گے۔" پیدل خان نے ایک چاقو نکال کر اس سے سیب کے دو ٹکڑے کر کے عملی طور پر بتایا کہ وہ مرزا کے ٹکڑے کیسے کریں گے۔" نہ صرف مرزا کو دھمکایا بلکہ اسے زدوکوب کر کے ایک ہفتے کی مہلت دی کہ پانچ لاکھ روپے کا انتظام کرے ورنہ پانچ لاکھ ٹکڑے کروانے کے لیے تیار ہو جائے۔ اتفاق سے جس روز میں اس کے دفتر پہنچا، وہ مہلت کا آخری دن تھا اور سرکس برادران حسب وعدہ مرزا کے پانچ لاکھ ٹکڑے کرنے آگئے تھے۔ مرزا کی خوش قسمتی کہ میں نے اسے ان کے ہاتھوں مرنے سے بچالیا۔

☆☆☆

"وہ بے حد خطرناک لوگ ہیں۔" مرزا نے کوئی ایک لیٹر چائے اپنے اندر انڈیل کر رو دینے کے انداز میں کہا "میں جب ان کے ہتھے چڑھا، وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ بالکل فوت کر دیں گے۔"

"انشاء اللہ۔" میں نے کہا "میرا مطلب ہے اگر اللہ نے چاہا تو۔ اس نے نہیں چاہا تو تم فوت نہیں ہو گے۔"

"وہ خبیث بڈھا مجھے چڑیا بنا کر چلا گیا۔ اب میں اسے کہاں تلاش کروں؟"

"وہ اب تمہیں نہیں ملے گا۔ کم سے کم اس حلیے میں نہیں ملے گا۔ وہ بھی اپنی لائن کا کوئی پرانا پاپی ہے۔ اس وقت کسی اور شہر میں مزے کر رہا ہو گا۔"

"اور میری جان خطرے میں ہے۔" مرزا نے سرد آہ بھری "کمیشن کیا ملتا، ہاں موت کی دھمکیاں ملی ہیں اور دھکے بھی خوب کھائے ہیں۔"

میں اس کی بچت کی کوئی تدبیر سوچ رہا تھا لیکن اس سے پہلے اس سے صاف بات کر لینا چاہتا تھا "دیکھ بے مرزا! ان سے بچالینا کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن تجھے میرا ایک کام کرنا پڑے گا۔"

"ہزار کام کروں گا۔" مرزا گھگھیایا۔

"مرزا تمہیں ایک کوٹھی بکوانی ہے اور ہاں کام ہو جانے کے بعد مکر مت جانا۔"

"میں کیوں مکروں گا۔ میرا تو کام یہی ہے۔"

"مرزا تمہیں یہ کام بنا کمیشن کے کرنا ہو گا۔" میں نے کہا تو مرزا کا چہرہ لٹک گیا۔

"بغیر کمیشن کے...... مگر کیسے......" اس نے مرے ہوئے انداز میں کہا "میرا مطلب ہے کہ میں نے پہلے بھی کوئی کام کمیشن کے بغیر نہیں کیا ہے۔"

"میں نے بھی کوئی کام معاوضے کے بغیر نہیں کیا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "کیا میں صورت سے تجھے بکھو نظر آتا ہوں۔ جو بلا معاوضہ تجھے ان بلاؤں سے بچاؤں۔ میں تیرے لیے بلا معاوضہ جان داؤ پر لگا رہا ہوں اور تو ایک کوٹھی بنا کمیشن کے نہیں بکوا سکتا۔"

"اچھا میں تجھ سے کوئی کمیشن نہیں لوں گا۔" مرزا نے بادل ناخواستہ کہا۔

"تب پہلے تو کوٹھی بکوا پھر میں تجھے ان سرکس برادران سے نجات دلا دوں گا۔"

"وہ کیسے...... میں تو دفتر بھی نہیں جا سکتا...... کوٹھی کیسے بکواؤں۔"

"دیکھ مرزا میرے ساتھ چال چلنے کی کوشش نہ کر...... ورنہ تیرے ساتھ برا ہو گا۔ یہ کام تو دفتر کے بغیر بھی کر سکتا ہے۔"

"اچھا...... میں کوشش کروں گا۔" مرزا نے پھر بادل ناخواستہ کہا۔

"چل پہلے میں تجھے وہ بھوت بنگلا دکھا دوں جسے تو نے بکوانا ہے ایک مہینے کے اندر......"

"ایک مہینے میں کیوں؟" مرزا نے اعتراض کیا۔

"ایک مہینے میں بکوانے کی صورت میں تیرے کمیشن کا چوتھائی میں اپنی طرف سے تجھے نذر کروں گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" مرزا کی باچھیں ذرا سی کھلی تھیں۔

میں نے اسے لے جا کر جمی کی کوٹھی دکھائی۔ وہ متفکر نظر آنے لگا "اس بھوت بنگلے کو کون خریدے گا؟"

میں نے اس سے اتفاق کیا ''اس میں سچ مچ آسیب ہے۔''

''آسیب ہے!'' مرزا اچھل پڑا ''مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا'' وہ بھاگتا ہوا لان میں آگیا۔

''کیا بات ہے، کیا تم پر بھی کوئی جن سوار ہوگیا ہے۔''

''مجھے بھوتوں سے ڈر لگتا ہے۔'' اس نے منمنا کر کہا ''میں اسے نہیں بکوا سکتا۔''

''حالانکہ تجھے سرکس برادران سے ڈرنا چاہیے جو تجھے سچ مچ فوت کرنے کے درپے ہیں۔'' میں نے طنز کیا ''اور تو ان دیکھے بھوتوں سے ڈر رہا ہے۔''

''چل میں کوشش کرتا ہوں تب بھی اسے کون خریدے گا۔'' اس نے بادل ناخواستہ کہا۔

''یہ مجھے نہیں پتا۔ میں نے تجھے بتا دیا ہے کہ سرکس برادران سے بچنا ہے تو یہ کام کرنا ہی پڑے گا۔'' میں نے رکھائی سے اسے آگاہ کیا ''آگے تیری مرضی۔''

''لیکن تب تک میں رہوں گا کہاں۔'' اس نے فریاد کی ''وہ دونوں میرے دفتر کے ساتھ گھر سے بھی واقف ہیں۔''

''میں تیرا یہ مسئلہ حل کر دیتا ہوں۔ تو اس کوٹھی میں رہ سکتا ہے۔'' میں نے اس کا مسئلہ فوراً حل کر دیا۔

''اس کوٹھی میں۔'' مرزا کی جان نکل گئی ''ہرگز نہیں۔''

''سوچ لے۔ سرکس برادران تجھے سارے شہر میں تلاش کر سکتے ہیں سوائے اس جگہ کے۔''

مرزا کو یہ بات لگی ''لیکن وہ بھوت......''

میں نے قہقہہ مارا ''ابے میں مذاق کر رہا تھا۔ آج کل اصلی جن بھوت ملتے کہاں ہیں۔''

''میں اپنا سامان لے آؤں گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''ایسی غلطی بھی نہ کرنا۔ سرکس برادران تیری تاک میں ہوں گے۔ اگر تو نے گھر کا رخ بھی کیا تو مارا جائے گا۔''

''چلو تب تک میں گزارہ کر لوں گا۔ لیکن اس کوٹھی کے مالک سے کہو کہ اگر اس کی اچھی قیمت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کی حالت درست کرائے موجودہ صورت میں تو اونی پونی قیمت ملے گی۔''

''یہی تو مصیبت ہے۔ اس کوٹھی کا مالک شہر کا سب سے بڑا کنجوس ہے۔''

''تم جمی کی بات کر رہے ہو؟''

میں اچھل پڑا ''تجھے کیسے پتا چلا......''

''اس شہر میں سب سے بڑا کنجوس جمی ہی ہو سکتا ہے۔'' اس نے آہ بھر کر کہا ''میں نے دو بار اس کے لیے کام کیا اور کمیشن ایک بار بھی نہیں ملا۔''

''یہی حال اپنا ہے۔ میں تو شاید دو سو بار اس کے لیے کام کر چکا ہوں لیکن معاوضہ بس اتنا ہی ملتا ہے کہ زکوٰۃ نکل جاتی ہے جمی کی۔''

''تو جمی کے کام کے لیے کیوں مرا جا رہا ہے۔'' مرزا نے مجھے گھورا۔

''بات یہ ہے کہ مجھ سے اس کا ایک نقصان ہوگیا تھا تو کفارے کے طور پر میں اس کے لیے یہ کام کر رہا ہوں۔''

''ایک شرط ہے۔'' مرزا نے بادل ناخواستہ راضی ہوتے ہوئے کہا ''تجھے بھی میرے ساتھ رہنا ہوگا۔''

''ہرگز نہیں۔'' اس بار میری جان نکل گئی۔

''کیوں ڈر گئے نا۔'' مرزا نے طنز کیا۔

''ہاں...... اپنی اماں سے...... دیکھ میں نے گھر سے باہر رات گزاری نا تو پھر میری اماں مجھے عاق کر دیں گی اور میری شادی نہیں ہو سکے گی۔''

''تیری سوئی ابھی تک اسی پڑوسن کی لڑکی پر اٹکی ہے۔'' مرزا نے دلچسپی سے کہا۔

''اگر اٹکی ہے تو تجھے کیا۔'' میں نے برا مان کر کہا ''یہ بتا کہ اس کوٹھی میں رہنا چاہتا ہے یا نہیں؟''

''مجبوری ہے۔'' اس نے سرد آہ بھری ''اب جاؤں تو کہاں جاؤں۔''

''تو فکر نہ کر۔ اس میں اگر کوئی بھوت ہے بھی تو تجھے کچھ نہیں کہے گا۔ وہ یہاں صرف مستقل بسنے والوں کو تنگ کرتا ہے۔''

مرزا ڈر گیا ''یعنی کوئی بھوت ہے۔''

''میں نے سنا ہے۔'' میں نے سر کھجایا ''آخری دو تین مکینوں کو بڑے عبرت ناک حالات میں یہاں سے نکلنا پڑا تھا۔''

''کہیں ان میں میرا نام بھی نہ آجائے۔ یہ بتا کر کوئی فوت تو نہیں ہوا ہے۔''

''اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں پتا۔'' میں نے صفائی سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ اگر میں اسے اس کوٹھی میں ہونے والے مرحومین کے بارے میں بتا دیتا تو وہ ایک سیکنڈ کو بھی یہاں رکنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

☆☆☆

اگلے روز میں کوٹھی گیا تو مرزا کو زندہ سلامت پا کر سکون کا سانس لیا۔ وہ کچھ متفکر ضرور تھا لیکن سرکس برادران کے بارے میں اس نے مجھ سے کہا ''دیکھ یار جلیل...... اس طرح تو

کچھ نہیں کر سکوں گا۔ جب تک تو میری جان ان سے نہیں چھڑاتا۔ میں باہر نکلوں گا تو اس کوٹھی کو بکوا سکوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو نے سرکس برادران سے مجھے بچا لیا تو میں کوٹھی کو بکوانے کے لیے جان لڑا دوں گا۔"

اس کی بات قابل غور تھی۔ میں نے سوچ کر کہا "ٹھیک ہے لیکن تیرے مسئلے کا حل نکالنے میں دو تین دن لگیں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے فراخ دلی سے کہا تو میں غور کر رہ گیا۔ مرزا نے ایک کرا صاف کر کے اسے اپنی رہائش کے قابل بنا لیا تھا۔ اس میں فرنیچر پہلے سے پڑا ہوا تھا۔ کوٹھی میں پانی اور بجلی کے کنکشن تھے البتہ گیس کا کنکشن کام نہیں کر رہا تھا۔ مرزا کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اسے کھانا بنانا نہیں آتی تھی اور انڈا ابالنا اس کے لیے دنیا کے دشوار ترین کاموں میں سے ایک تھا۔ مرزا کے مسئلے کا حل آسان نہیں تھا۔ بے شک سوار خان اور پیدل خان عرصے سے کراچی میں رہتے آ رہے تھے مگر تھے وہ قبائلی ہی۔ اپنے دشمن اور دھوکا دینے والوں کو معاف کرنا ان کی روایات میں شامل نہیں ہوتا۔ عین ممکن تھا کہ مرزا ان کے ہاتھ آ جاتا تو وہ تین سو کا کیس بنا کر ہی دم لیتے۔ ان سے مرزا کو بچانا اور مستقبل میں بھی ان کے شر سے محفوظ رکھنا خاصا دشوار بلکہ ناممکن نظر آنے والا کام تھا۔

اسی چکر میں دو تین دن ایسے ہی گزر گئے۔ دوسری طرف مرزا مزے کر رہا تھا بلکہ چھٹیاں منا رہا تھا۔ ٹھاٹ سے اتنی بڑی کوٹھی میں اکیلا رہ رہا تھا۔ کھانا قریب ہی ہوٹل سے کھا آتا تھا اور سارا دن لیٹا رسالے پڑھتا رہتا تھا۔ جو اسے کوٹھی کے اسٹور روم سے مل گئے تھے۔ اس دن میں مرزا سے مل کر واپس جا رہا تھا۔ راستے میں نظر آنے والے ایک چائے خانے میں رک گیا جہاں لوگ بے حد ذوق و شوق سے کوئی تھرڈ کلاس قسم کی بھارتی پکچر دیکھ رہے تھے۔ چائے کی وجہ سے میں بھی کچھ دیر اسے برداشت کرتا رہا۔ فلم میں مار دھاڑ کا سین چل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے مرزا کے مسئلے کا حل اچانک ہی میرے ذہن میں نازل ہوا تھا۔ میں اچھل پڑا اور چائے جلدی سے ختم کر کے واپس مرزا کے پاس لوٹ آیا۔ مجھے دیکھ کر وہ تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"خیریت تو ہے؟ کیا سرکس برادران نظر آ گئے؟"

"نہیں، ان سے چھٹکارے کی ترکیب ذہن میں آئی ہے۔" میں نے جوش و خروش سے اسے آگاہ کیا "ڈراما کرنا پڑے گا۔"

"پہلے یہ بتا کہ ترکیب کیا ہے؟" مرزا نے دریافت کیا۔

جب میں نے اسے ترکیب سے آگاہ کیا تو اس کا خون خشک ہو گیا۔ "خون اور چاقو..... ہرگز نہیں یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔"

"دیکھ اس صورت میں تجھے ہمیشہ کے لیے ان سے نجات مل جائے گی کیونکہ وہ یہاں ہوں گے ہی نہیں۔"

"میں نہیں کر سکتا۔" مرزا نے صاف انکار کر دیا۔

"تب ان کے پانچ لاکھ روپے واپس کر دے۔" میں نے اطمینان سے کہا "ساری عمر کا کھایا کمیشن ایک ہی دفعہ میں نکل جائے گا۔"

"میرے پاس اتنی رقم ہوتی تو میں یہاں بیٹھا ہوتا۔" اس نے سرد آہ بھری۔

مرزا ہرگز تیار نہیں تھا لیکن میں بھی جلیل الزماں ہوں۔ اس کے پیچھے پڑا رہا اور آخر اسے تیار کر کے دم لیا۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا "دیکھ لے جلیل کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ تو نے میرے کہنے پر پوری طرح عمل کیا۔"

"ایسا نہ ہو سچ مچ انتقال کر جاؤں۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"میں نے اب تک تجھے اتنا غیرت مند نہیں پایا ہے۔" میں نے پورے خلوص سے کہا تھا۔

☆☆☆

مجھے راجا کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی اور جب مجھے راجا کی کمی شدت سے محسوس ہو تو میں اسے کہیں نہ کہیں سے برآمد کر لیتا ہوں جیسے پچھلے ننھے فتنے سے نمٹنے کے لیے نادر شاہ کی دختر بد اختر عارفہ حرافہ کے پہلو سے برآمد کیا تھا۔ اس بار بھی مجھے ننانوے اعشاریہ نو فیصد یقین تھا کہ راجا اسی عارفہ کے پاس ہوگا۔

میں نے عارفہ کے موبائل پر فون کیا۔ اس نے میری آواز سنتے ہی گالیاں دینا شروع کر دیں۔ یہ زنانہ لغت کی سلیس گالیاں نہیں تھیں بلکہ انتہائی خاص پولیس نصاب پر مبنی گالیاں تھیں۔

"آخر بات کیا ہے حرافہ؟" میں نے جھلا کر کہا۔

"تم راجا کو میرے خلاف ورغلاتے ہو۔" اس نے الزام دینے کے انداز میں کہا۔

''میں راجا کو صرف سچ بتاتا ہوں۔ اگر وہ خود سمجھ جاتا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' میں نے آرام سے کہا ''اب ذرا اسے فون دو۔''

''راجا...... وہ اس وقت...... اچھا میں دیتی ہوں۔'' اس نے خلاف توقع مان لیا۔ ذرا دیر بعد راجا فون پر تھا۔ اس کی آواز سے لگ رہا تھا کہ اس نے کوئی بہت پُر مشقت کام کیا ہے۔

''کیا بات ہے۔'' وہ ناراض لگ رہا تھا۔

''کیا ہوا انور شاہ کو پتا چل گیا تھا کہ تو نے ننھے فتنے والے معاملے میں میری مدد کی تھی۔''

''ابے نہیں۔'' اس نے بوکھلا کر کہا ''یہ بتا کہ فون کیوں کیا ہے؟ میں بالکل بھی فارغ نہیں ہوں...... بہت مصروف ہوں۔''

''میں جانتا ہوں تیری مصروفیت۔'' میں نے بھنا کر کہا ''اسے کچھ دیر کے لیے چھوڑ دیا کر۔''

''میں تو کمبل چھوڑتا ہوں لیکن کمبل...... آہ!'' راجا جملہ ادھورا چھوڑ کر چلایا۔ غالباً عارفہ نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا جو اس کا باپ تھانے میں آنے والے فریادیوں سے کرتا تھا۔

''راجا...... اب بھی وقت ہے اس جونک سے جان چھڑا لے ورنہ یہ تیرا سارا خون پی جائے گی۔''

''او یار...... ایسی باتیں نہ کر۔'' راجا نے رو دینے والے انداز میں کہا ''بھگتنا مجھے پڑتا ہے۔''

''راجا...... میرے یار، بس ایک بار اور میری مدد کر دے۔ اس کے بعد تو تو شاید کسی قابل ہی نہ رہے سوائے قربانی کے۔''

میری سچ بیانی کا راجا نے برا مانا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس نظم سے ہوا تھا جو اس نے میری شان میں کہی تھی۔ خاصی مادر پدر آزاد قسم کی نظم تھی۔ میں نے اسے ڈانٹا ''ابے میں موبائل پر بات کر رہا ہوں تو آ رہا ہے نا؟''

''ہرگز نہیں۔ میں صرف تیرے جنازے میں آنا پسند کروں گا۔''

''بشرطیکہ تو اپنے جلاد باپ سے بچ گیا۔ اگر تو ایک گھنٹے میں کیفے ڈی پھونس میں نہ پہنچا تو میں تیرے باپ کے پاس چلا جاؤں گا۔'' میں نے عیاری سے کہا۔

اس بار راجا نے نسبتاً مختصر لیکن زیادہ بامحاورہ اور زیادہ آزاد نظم کہی تھی۔ لیکن اس کے آخر میں مرے ہوئے انداز میں بولا ''اچھا میں آ جاؤں گا۔''

راجا ایک کے بجائے دو گھنٹے میں آیا تھا۔ مجھے تو کے ڈیک کی بھیانک آواز برداشت کرنی پڑی تھی اور آج چائے کا معیار بھی ایسا تھا جیسے ڈیزل میں پتی ابال کر چونے کے ساتھ پکائی گئی ہو۔ بسکٹ کھانے سے میں نے انکار کر دیا تھا۔ پچھلی بار کا تجربہ مجھے یاد تھا۔ راجا اس بار پیدل آیا اور اس کا سن گلاس بھی غائب تھا۔

''تیری بائیک کہاں گئی؟''

''وہ تو بیچ دی۔'' اس نے کھسیا کر کہا ''عارفہ کے نام پر تھی۔''

''تو آہستہ آہستہ اپنی اوقات پر واپس آ رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ بالکل پہلی والی اوقات پر آ جائے، عارفہ سے کچھ مال بھی کھینچ لے۔''

''ایک بار ان عورتوں کے پاس کچھ چلا جائے تو واپس کہاں ملتا ہے۔'' اس نے سرد آہ بھری ''خیر چھوڑ یہ بتا کہ اب تجھ پر کیا آفت آن پڑی ہے۔''

میں نے اسے مرزا کے بارے میں بتایا تو وہ چلانے لگا ''وہ...... مردود...... حرام الدہر...... اولاد خنزیر...... اسے تو قتل ہو جانا چاہیے۔''

''کچھ لوگ اس کام کے لیے کوشاں ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی ''لیکن تو مرزا کے نام پر کیوں بھڑک رہا ہے؟''

''تجھے نہیں پتا اس نے دو سال پہلے میرے ساتھ کیا کیا تھا۔''

''اب اتنی پرانی بات بھول جا...... مٹی ڈال۔'' میں نے اسے ٹالا۔

''مٹی میں مرزا پر ڈالوں گا۔ اسے کسی قبر میں زندہ دفن کر کے۔'' راجا سچ غصے میں تھا۔

''تیرا غصہ برحق ہے اور مرزا واجب القتل ہے لیکن کیا تو فی الوقت اپنا ارادہ ملتوی نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اس کی کوٹھی نہیں بک جاتی۔''

''مجھ جیسے خسیس سے تجھے کچھ نہیں ملے گا۔'' راجا نے خبردار کیا۔

''تو نے صحیح کہا لیکن امید بہار میں آدمی پیوستہ شجر رہتا ہی ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی ''اب بتا کہ تو میرا ساتھ دے گا یا نہیں۔''

''مجھے کیا ملے گا؟'' اس نے پکے کاروباری انداز میں پوچھا تو میں بھنا گیا۔

''عارفہ سے تجھے کیا مل رہا ہے؟''

راجا ہنسا ''جو مل رہا ہے تجھے بتانے کا نہیں ہے۔''

"چل میں تجھے بھی جی سے ملنے والے معاوضے کا ایک چوتھائی دوں گا۔ حالانکہ تیرا کام معمولی سا ہے۔" میں نے بدل ناخواستہ ہامی بھرلی۔

"کام کیا ہے؟" راجا نے کہا اس پر میں نے تفصیل سے بتایا کہ اسے کیا کرنا تھا۔ کام سن کر راجا اچھل پڑا۔ اس نے چلا کر کہا "اسے تو معمولی کام کہہ رہا ہے۔ اگر سرکس برادران نے سچ مچ قاتلانہ ارادے سے حملہ کیا تو میں بلاوجہ فوت ہوجاؤں گا۔"

"انشاء اللہ۔" میں نے کہا "میرا مطلب ہے تجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا کیونکہ وہاں تو اتفاقاً آئے گا اور پھر میں تیرے سر پر پیپر ویٹ مار کر تجھے اتنا قتیل کردوں گا۔"

"اگر پیپر ویٹ سچ مچ لگ گیا اور میں بے ہوش ہونے کے بجائے اللہ کو پیارا ہوگیا تو؟" اس نے اعتراض کیا۔

"کاش کہ میں ایسا کرسکتا لیکن قتل میرے پلان میں شامل نہیں ہے اور تجھے میری مہارت پر بھروسا کرنا چاہیے۔"

"تجھ پر بھروسا کرکے تو ہمیشہ مارا جاتا ہوں۔" اس نے دل سوزی سے کہا "یہ بتا کہ تیرے بے ہوش کرنے سے وہ مطمئن نہ ہوئے اور مجھے فوت کرنے پر تل گئے تو؟"

"تجھے فوت کرکے انہیں کیا ملے گا؟" میں راجا کے اعتراضات سے بھنا گیا تھا "ویسے بھی وہ عام لوگ ہیں پیشہ ور قاتل نہیں جو ایک جرم کو چھپانے کے لیے عینی شاہد کو بھی قتل کردیں۔"

راجا نے ہاتھ اٹھایا "ایک آخری سوال...... کیا تجھے جی سے رقم مل جانے کی امید ہے؟"

"میرے چاند...... سودا ہوگا ہی اسی صورت میں جب کیش کی رقم ہاتھ پر رکھ دے گا۔" میں نے اپنی ساری خوش خلقی بروئے کار لاتے ہوئے جواب دیا "اب کوئی سوال کیا تو تیری......" آگے کے الفاظ خاص راجا کی شان میں تھے۔

"میں تیرے ساتھ ہوں۔" راجا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

اپنے دفتر کی طرف جاتے ہوئے مرزا کی حالت بکرے کی سی ہورہی تھی جسے قربان گاہ سے لے جایا جارہا ہو۔ یا اس بچے کی سی ہورہی تھی جسے گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد اسکول لے جایا جاتا ہے۔ وہ بار بار پلٹ کر رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں اسے آنکھوں سے حوصلہ اور دل میں گالیاں دے رہا تھا۔ مرزا پیٹ بھر کر بزدل تھا اور اپنے آباؤاجداد کا نام بدنام کررہا تھا۔ روایت ہے کہ اس کے پرداداکے دادا نے جنگ آزادی میں شجاعت کے محیر العقول کارنامے انجام دیے تھے۔ مثال کے طور پر ایک گورے سپاہی کی ٹانگ کاٹ دی تھی کیونکہ اس کا سر پہلے ہی کوئی کاٹ گیا تھا اور جب آرام طلب شہزادے فرار کے لیے راستے تلاش کررہے تھے تو یہ پردادا کے دادا ہی تھے جنہوں نے سب سے آگے رہتے ہوئے شہزادوں کی رہنمائی کی تھی۔

"یار جلیل کچھ ہوگا تو نہیں؟" مرزا نے کوئی دسویں بار راستے میں رک کر مجھ سے دریافت کیا۔

"زیادہ سے زیادہ تیرا انتقال ہوگا۔" میں اسے ہر بار تسلی دیتا "اور ایک نہ ایک دن تو نے مرنا ہی جانا ہے۔"

"لیکن میں ایسے جرم کی سزا میں نہیں مرنا چاہتا جو میں نے نہ کیا ہو۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"مرزا یار ہمت پکڑ ایسے تو تو سوچ سوچ کر اور ڈر ڈر کر مرجائے گا۔ سرکس برادران کو زحمت کرنا ہی نہیں پڑے گی۔"

مرزا ڈر رہا تھا لیکن اپنے دفتر جانے سے اس نے انکار

○ دکاندار نے ریڈی میڈ سوٹ ایک گاہک کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کو اس طرح فٹ آئے گا جیسے ہاتھ پر دستانہ۔"

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ سوٹ میں پتلون چار ٹانگوں والی تھی اور کوٹ ایک آستین والا......

○ "اپنی بیوی کی وجہ سے میں کچھ مذہبی ہوگیا ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"شادی سے پہلے مجھے جہنم پر کچھ زیادہ یقین نہیں تھا۔"

○ ایک بچی اپنے چچا سے کہہ رہی تھی۔ "انکل! میں آپ کی برتھ ڈے پر آپ کو گفٹ دینے کے لیے رومال خریدنے گئی تھی...... لیکن مجھے آپ کی ناک کا سائز ہی معلوم نہیں تھا۔"

○ جہاں کہیں بھی میرے انکل کے پہنچنے کی امید ہوتی ہے وہاں بہت بے تابی سے ان کا انتظار کیا جاتا ہے اور جب وہ وہاں پہنچتے ہیں تو انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے وہ بہت ہر دلعزیز ہیں؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں...... بہرحال وہ فائر بریگیڈ میں ملازم ہیں......"

☆☆☆

نہیں کیا۔ میں اس سے ذرا الگ جا رہا تھا۔ میں نے حلیے میں تبدیلی کر رکھی تھی اور مجھے امید تھی کہ سرکس برادران مجھے اس حلیے میں نہیں شناخت کر پائیں گے۔ راجا کو میں نے اس عمارت کے باہر سامنے کیفے ڈی فٹ پاتھ پر دیکھ لیا تھا جس میں مرزا کا دفتر تھا۔ میں اور مرزا آگے پیچھے عمارت میں داخل ہوئے۔ اب تک مجھے کوئی ایسا فرد نظر نہیں آیا تھا جو خاص طور پر مرزا کے دفتر پر نظر رکھتا مگر یہ ممکن تھا کہ نگرانی جاری ہو۔ ورنہ جلد یا بدیر سرکس برادران کو علم ہو ہی جاتا کہ مرزا بدبخت اپنے دفتر میں آ گیا ہے۔ اپنے دفتر میں آتے ہی مرزا نے اندر سے کنڈی لگالی۔ میں نے پوچھا ''یہ کیا حرکت ہے؟ اس کا فائدہ......''

''کم سے کم میرے دل کو تو تسلی رہے گی۔''

میں نے دفتر کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ راجا کھڑکی کی طرف ہی نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ میں جیسے ہی کھڑکی بند کرتا، یہ اس کے لیے اشارہ ہوتا۔ راجا نے صرف دو گھنٹے کا وقت دینے کی ہامی بھری تھی اس لیے ہمیں بھی صرف دو ہی گھنٹے یہاں ٹھہرنا تھا۔ مرزا اپنی میز پر جا بیٹھا۔ کئی بار وہ اٹھا، اس نے میری طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا اور پھر بادل ناخواستہ کرسی پر جا بیٹھا۔ اس کے دفتر کے دروازے کی جو کنڈی تھی وہ بہت ہی ناقص درجے کی تھی کیونکہ ..... سوار خان یعنی گینڈے نے اسے ایک ہی ٹکر میں توڑ دیا تھا۔ دروازہ دھماکے سے کھلا اور سب سے پہلے گینڈا اندر آیا۔ مرزا اچھل پڑا۔ اس نے گھگیائی ہوئی آواز نکالی ''خ...... خ...... خان...... صیں...... صاحب۔''

''ایسی کی تیسی......'' گینڈا اس کی طرف لپکا۔ میں احتیاطاً ایک طرف ہو گیا۔

پھر پیدل خان نے سر جھکا کر کمرے میں قدم رنجا فرمایا اور عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ کمرے میں مرزا آگے آگے تھا اور گینڈا ایک بار پھر اس کے اندرونی اعضا کو تہ وبالا کرنے کے لیے اسے ٹکر مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف کھسکنے لگا۔ گینڈے کے منہ سے جو نکل رہا تھا، اسے ناقابل بیان سمجھا جائے اور وہ مرزا کو بتا رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ وہ کرے گا جو سکندر اعظم نے پورس کے ساتھ نہیں کیا تھا۔ میں نے بے ساختہ پوچھا ''کیا نہیں کیا تھا؟''

گینڈے نے غرا کر کہا ''اس نے شادی تک نہیں کی تھی۔''

میں نے غیر محسوس انداز میں کھڑکی بند کر دی۔ گینڈے اور مرزا نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ان کی ساری توجہ مرزا پر مرکوز تھی۔ اب وقت آ گیا تھا کہ مرزا خود بھی حرکت میں آ جاتا لیکن وہ سوائے گینڈے کے آگے دوڑنے کے کچھ نہیں کر رہا تھا۔ آخر اس کی توجہ دلانے کے لیے میں نے کہا ''بھائیو، یہ ہو کیا رہا ہے۔ اس نے کیا کیا ہے؟''

''بڈھے...... اپنا منہ بند رکھ۔'' زرافے نے غرا کر کہا ''اس وقت میں ذرا عمر رسیدہ حلیے میں تھا۔

ایک بار مرزا زرافے کے پاس سے گزرا تو اس نے اطمینان سے اپنا پاؤں آگے کر دیا اور مرزا منہ کے بل فرش پر جا گرا۔ بدقسمتی سے زرافہ اپنا پاؤں سمیٹنا بھول گیا تھا۔ گینڈے کی نظریں مرزا پر تھیں اس لیے وہ مرزا کے برابر میں جا گرا۔ اس نے اٹھ کر زرافے کو برادرانہ شفقت سے جو کہا اسے بھی ناقابل بیان سمجھا جائے۔ اس دوران میں مرزا منہ دبائے ایک کونے میں کھڑا ہائے وائے کر رہا تھا۔ گینڈے نے اس کی طرف توجہ دی تو اس نے جیب سے ایک چاقو نکال لیا اور ہکلاتے ہوئے بولا ''م...... میرے...... پ...... پاس مت آنا۔''

یہ ننھا سا چاقو دیکھ کر زرافے اور گینڈے نے مشترکہ قہقہہ لگایا۔ اوپر سے مرزا نے چاقو ایسے تھام رکھا تھا کہ اس کی نوک خود اس کی طرف تھی۔ ''الو کے پٹھے پہلے چاقو پکڑنا تو سیکھو۔'' گینڈے نے کہا اور اس کی طرف بڑھا۔ مرزا نے بھاگنا چاہا۔ گینڈے نے اس کی قمیص پکڑنے کی کوشش کی اور مرزا ایک بار پھر زمین پر جا گرا۔ اس نے دل خراش چیخ ماری اور جب تڑپ کر سیدھا ہوا تو چاقو اس کے سینے میں اترا تھا جسے اس نے دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا اور قمیص پر خون پھیل رہا تھا۔ مرزا نے آنکھیں گھما کر آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک ہچکی لی اور ساکت ہو گیا۔

''یہ کیا ہوا؟'' گینڈے نے میری طرف دیکھ کر احمقانہ انداز میں پوچھا۔

''مرڈر...... قتل......'' میں نے لرزتی آواز میں کہا ''تم نے اسے مار ڈالا ہے۔''

''قق...... قتل......'' زرافے کے حلق سے گھگیائی ہوئی آواز نکلی ''بھائی بھاگ چلو۔''

''لیکن کہاں تک بھاگو گے۔ بالآخر پولیس تمہیں پکڑے گی اور پھر پھانسی کا پھندا۔''

زرافے نے گھبرا کر اپنی گردن کو ہاتھ لگایا ''لیکن میں نے کچھ نہیں کیا۔''

"تم بھی شریک جرم ہو اور عدالت تمہیں بھی سزا دے گی۔"

پھانسی کا سن کر گینڈے کی ساری تیزی و طراری ہوا ہو گئی تھی" اب...... اب کیا ہوگا؟ میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ یہ تو خود ہی اسے...... لگ گیا۔" اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"پولیس کہاں مانے گی۔" میں نے نفی میں سر ہلایا "اس کا ایک ہی حل ہے تم یہاں سے غائب ہو جاؤ۔"

"کیسے؟" زرافہ احمقانہ انداز میں بولا "ہمیں جادو نہیں آتا۔"

"احمق...... میرا مطلب ہے فرار ہو جاؤ۔ میرے سوا کسی نے نہیں دیکھا ہے اور میں پولیس کے چکروں میں پڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔"

اسی لمحے دروازہ کھلا اور راجا اندر آیا۔ اس نے آتے ہی کہا "بھائی صاحب...... مجھے ایک مکان......" بقیہ الفاظ اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ مرزا کی لاش دیکھ کر اور اس سے پہلے وہ چیخ مارتا یا پلٹ کر باہر نکل کر سارا محلہ اکٹھا کر لیتا، میں نے اس کے سر پر پیپر ویٹ مارا اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر جا لیٹا۔

"اب مسئلہ خراب ہو گیا ہے۔ اس نے ہم تینوں کو دیکھ لیا ہے اور یہ بعد میں پولیس کو ہمارے حلیے بتا دے گا۔ میری تو خیر ہے۔ داڑھی منڈوا کر بال کالے کر لوں گا۔ تمہیں تو پولیس فوراً تلاش کر لے گی۔ اپنی طرز کے واحد نمونے ہو تم دونوں۔"

"پھر کیا کریں؟" زرافہ ہکلایا۔

"اس شہر سے بھاگ جاؤ بلکہ علاقہ غیر چلے جاؤ اور اب بھی بھول کر بھی اس طرف نہیں آنا ورنہ پھانسی کا پھندا......"

"بالکل نہیں آئیں گے۔" گینڈے نے لرز کر کہا۔

"بھائی بھاگ چلو۔" زرافہ بولا۔

"اور سنو، مجھے اس شہر میں نظر آئے تو مجبوراً مجھے اپنی گردن بچانے کے لیے تمہیں پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا۔"

زرافہ اور گینڈا ایسے بھاگے تھے جیسے ان کے پیچھے افریقہ کے سارے آدم خور شیر لگے ہوں۔ ان کے جانے کے بعد میں نے احتیاطاً کھڑکی سے باہر جھانکا۔ دونوں کی جیپ موجود تھی۔ زرافہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی جیپ چلا دی۔ گینڈا ابھی سوار ہو رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑے انار کی ریڑھی والے کو ٹکر ماری اور جاتے جاتے ایک سائن بورڈ گرا گیا۔ جس پر لکھا تھا "احتیاط سے ڈرائیونگ کریں۔"

میں مڑا تو راجا کرسی پر بیٹھا اپنا سر ٹٹول رہا تھا۔ میں نے اسے آنکھ ماری "بھاگ گئے سالے۔"

"میں نے اداکاری کیسی کی تھی؟" راجا نے پوچھا۔

"ایسی کہ اگر تو فلموں میں چلا جائے تو تہلکہ مچا دے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"بکواس مت کر۔" راجا خفگی سے بولا "اور اس بہروپ کی اولاد سے کہہ دے اب ڈراما بند کرے اور اٹھ جائے۔"

میں نے پلان یہ بنایا تھا کہ جب سرکس برادران مار پیٹ پر اتر آئیں تو مرزا جیب سے چاقو نکال کر انہیں دھمکائے اور جب ان میں سے کوئی اس سے چاقو چھیننے کی کوشش کرے تو وہ اسے یوں اپنے سینے میں گھونپ لے جیسے ان میں سے کسی نے یہ کام کیا ہو۔ ظاہر ہے چاقو کا پھل ایسا تھا کہ بٹن دباتے ہی اندر چلا جاتا تھا اور مرزا نے قمیص کے نیچے لال پانی سے بھری تھیلی باندھ رکھی تھی۔ میں راجا کو بتا رہا تھا کہ مجھے خیال آیا اور میں نے بوکھلا کر اپنی جیبیں دیکھیں۔ لال پانی کی تھیلی میری ہی ایک جیب سے برآمد ہوئی تھی۔ میں اسے مرزا کو دینا بھول گیا تھا۔

"تھیلی تو یہ ہے۔" راجا بولا "پھر مرزا......"

ہماری نظریں مرزا پر مرکوز ہو گئیں۔ اصولاً تو اسے اب تک اٹھ جانا چاہیے تھا۔ سرکس برادران کو گئے خاصی دیر ہو گئی تھی لیکن وہ اسی پوز میں ساکت پڑا تھا۔ خاصی دیر بعد میرے حلق سے لرزتی آواز نکلی تھی" راجا میرا خیال ہے کہ مرزا چاقو کا بٹن دبانا بھی بھول گیا تھا۔"

راجا کی آنکھیں گول ہو گئی تھیں" تت...... تیرا مطلب ہے...... یہ اصلی خون ہے؟"

"لگ تو ایسے ہی رہا ہے۔"

"جلیل، بھاگ چل...... وہ سرکس برادران تو بھاگ گئے ہیں ہم نہ پکڑے جائیں۔"

زندگی میں ایسے مواقع کم آتے ہیں جب میں راجا سے اتفاق کرتا ہوں اور اتفاق سے یہ بھی ان چند مواقعوں میں سے ایک تھا۔ میں اور راجا سر پر پاؤں رکھ کر مرزا کے دفتر سے نکل بھاگے تھے۔

مگر اسی شام ہمیں معلوم ہو گیا کہ سرکس برادران کے ساتھ ساتھ ہم سے بھی جان چھڑانے کے لیے مرزا نے ہمارے منصوبے میں اپنے طور پر کچھ اضافہ کیا تھا...... یعنی ایک تیر سے دو شکار!